ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

جو سچائی کے اعتراف میں 'اپنے' اور 'غیر' کا امتیاز روا رکھتے ہوں وہ دراصل اپنے گروہ کا کلمہ بلند کرنا چاہتے ہیں، جھوٹ کہتے ہیں اگر کہتے ہیں کہ ان کا مقصد اللہ کا کلمہ بلند کرنا ہے، کوئی شخص اپنے خدا اور اپنے گروہ دونوں کی پوجا ایک ساتھ نہیں کر سکتا۔ (مولانا صدرالدین اصلاحی)

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلّہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

شمارہ نمبر ۱-۲

رمضان المبارک و شوال المکرم ۱۴۱۹ھ
جنوری و فروری ۱۹۹۹ء

جلد نمبر ۱۵

مدیر مسئول
نور محمد فلاحی

مدیر
عبدالبر اثری فلاحی

مدیر معاون
انیس احمد فلاحی

☆ سالانہ زرتعاون: 50.00 روپے
☆ خصوصی زرتعاون: 100.00 روپے
☆ بیرون ملک سے: 25.00 امریکی ڈالر

☆ طلبہ کے لئے: 40.00 روپے
☆ اعزازی زرتعاون: 1000.00 روپے
☆ قیمت فی شمارہ: 5.00 روپے

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے، لہٰذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ "مجلہ حیاتِ نو"، جامعۃ الفلاح

بلریا گنج، اعظم گڈھ 276 121 (یو.پی) فون نمبر 05466-25115

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ پر
ماہنامہ حیاتِ نو کی خصوصی پیشکش

ان شاء اللہ ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو مولانا صدر الدین اصلاحیؒ کی حیات و خدمات پر خصوصی شمارہ شائع کرے گا۔ الحمد للہ اس کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ مولانا کی عہد ساز شخصیت کے تعارف، قرآنی خدمات، جماعت اسلامی کے تاسیس و استحکام میں کلیدی رول اور تعلیمی تجربات و علمی خدمات کے حوالے سے یہ ایک وقیع اور جامع دستاویز ہوگا۔ تمام ہی اہل قلم سے التماس ہے کہ وہ اپنی نگارشات جلد روانہ فرمائیں۔ عمومی طور پر بہی خواہان سے بھی گزارش ہے کہ مطبوعہ کتب کے علاوہ کسی بھی قسم کا دستاویزی مواد (خطوط، انٹرویو، مراسلے میگزین، کیسٹ، فوٹو، یادداشت وغیرہ) اگر آپ کے پاس ہوں تو اصل یا فوٹو کاپی روانہ فرمائیں۔ اخراجات بذمہ ادارہ ہوگا۔

پتہ

دفتر حیاتِ نو

جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ۔ ۲۷۶۱۲۱ (یو.پی)

فون: 05466-25115

نقوشِ حیاتِ نو

اداریہ

جہانِ فکر و نظر کا امام اور سلطان — عبدالبر اثری فلاحی ۳

انٹرویو

شریعت کے مستند مصادر ہی سیرت کے مستند مصادر ہیں — انیس احمد فلاحی ۱۰

بحث و نظر

تاریخ ہند کا المیہ — مختار احمد مکی ۳۲

مذاہبِ عالم

نصرانیت — انیس احمد فلاحی ۵۰

سیر و سوانح

ذکرِ جلیل — عبدالرب اثری فلاحی ۵۴

فقہ و فتاویٰ

بے وضو قرآنی کیسٹوں کو چھونا — ابرار قمر فلاحی ۶۵

تعارف و تبصرہ

شاہ فیصل سینٹر — محمد ارشد فلاحی ۶۷

جدید ترکی میں اسلامی بیداری — ابو عبدالرحمٰن عمار فلاحی ۷۱

جامعہ کے لیل و نہار

شیخ الجامعہ کا خطاب، الوداعیہ — ادارہ ۷۴

تعلیمات پر نظر ثانی، نصاب میں ترمیم

روداد انجمن

روداد اجلاس شوریٰ — سکریٹری انجمن ۷۸

فلاحی برادران سے خصوصی اپیل — عبدالعظیم فلاحی ۷۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جہانِ فکر و نظر کا امام اور سلطان

مولانا صدر الدین اصلاحیؒ

عبدالبر اثری فلاحی

۱۳؍نومبر ۱۹۹۷ء کو وہ آفتاب بھی ڈوب گیا جس نے لاکھوں دلوں کو منور کیا، جس کی تحریروں سے ہزاروں نے صراطِ مستقیم پائی، جو اپنے وقت کا ترجمان القرآن اور متکلم اسلام تھا، زوالِ خلافتِ اسلامیہ کے بعد جب کہ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا، ہر ایک مایوسی میں مبتلا تھا، احیاءِ خلافت کی کوئی ممکن نظر نہیں آرہی تھی اس وقت اپنی فطرتِ سلیمہ اور کتاب و سنت سے گہرے شغف و استفادے کی بنیاد پر جن شخصیات نے امت کو اس کی صحیح راہ دکھائی ان میں مولانا کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

آپ نے اس زمانے میں جب کہ جماعت اسلامی کا نام و نشان بھی نہیں تھا اور اس طرح کی کسی جماعت کے قیام کا خیال ہی کسی کے ذہن و دماغ میں تھا اس وقت "مسلمان اور امامت کبریٰ" کے نام سے سلسلہ وار مضامین لکھے تھے جو سن ۱۹۳۹ء میں ترجمان القرآن میں شائع ہوئے تھے جبکہ ترجمان القرآن حیدر آباد سے نکل رہا تھا۔

یہی وہ فکری بلندی اور ہم آہنگی تھی جس نے مولانا مودودیؒ اور آپ کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا تھا۔ پھر بالخصوص آپ دونوں نے مل کر اس فکر کا بیج بو دیا اور اس طرح آبیاری کی کہ تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا اور پھر ان کا ایک سنہرا باب بن گئے۔ ایک طرف جہاں مولانا مودودیؒ نے مغربی نظریات کے تار و پود ادھیڑے اور

اسلامی حقانیت ثابت کی رہیں مولانا صدرالدین اصلاحی نے بے اعتدالیوں اور جہالت کی وجہ سے دین حق پر جو گرد و غبار پڑ گئے تھے اسے صاف کر کے دین کا قرآنی تصور دنیوں کے سامنے پیش کیا جسے ان کی معرکۃ الآراء تصانیف "دین کا قرآنی تصور" "فریضہ اقامت دین" اور "معرکہ اسلام و جاہلیت" میں بہ آسانی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جہاں مولانا مودودیؒ نے اسلام کے انقلابی اور ہمہ جہتی تحریکی پہلوؤں کو زیادہ ابھارا۔ اسی طرح مولانا صدرالدین اصلاحی نے اسلام کے روحانی، اخلاقی اور معاشرتی پہلوؤں کو زیادہ اجاگر فرما کر گویا اس فکر کو اور بھی مدلل اور دوبالا کر دیا جس کو مولانا کی دیگر تصانیف "اساس دین کی تعمیر" "اسلام اور اجتماعیت" "حقیقت نفاق" "کان کے سارے قوانین" وغیرہ میں واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ مولانا مودودیؒ نے تجدید و اصلاح کی عملی کوششوں کا جب آغاز کیا اس وقت سے مولانا موصوف ساتھ رہے۔ "دارالاسلام" کا جن لوگوں نے آغاز کیا تھا ان ارکان خمسہ میں آپ بھی تھے اور اس کے بعد تقسیم ہند سے پہلے تک تقریباً ساری مساعی میں شریک رہے۔ البتہ تقسیم ہند کے بعد جب ہند و پاک کی جماعت الگ الگ ہو گئی تو آپ ہند میں ہونے کی وجہ سے یہاں کے جماعت کی تا حیات علمی، فکری رہنمائی فرماتے رہے۔

آپ کی علمی و فکری جلالت قدر ہی تھی کہ اپنے تشنہ کاموں کی تکمیل کے لئے خود مولانا مودودی کی نظر انتخاب آپ پر پڑی چنانچہ آخری عمر میں جب کہ "سیرت سرور عالم" کی تیسری جلد کی تکمیل سے معذور ہونے لگے تو یہ اظہار فرمایا کہ "میری منشاء کے مطابق واقعی تکمیل صرف ایک فرد کر سکتا ہے اور وہ مولانا صدرالدین اصلاحی ہیں"۔

مولانا کی اس بلند پایہ شخصیت کا اعتراف صرف اپنوں کو ہی نہیں تھا بلکہ اختلاف رکھنے والے بھی مولانا کی اس حیثیت کو تسلیم کرتے تھے۔ بعضوں نے تو یہاں تک

اظہار خیال فرمایا تھا کہ "جماعت کے اندر اجتہادی شان رکھنے والی صرف دو شخصیتیں ہیں ایک مولانا صدرالدین اصلاحی اور دوسرے مولانا سید عروج احمد قادری"۔ بعض نے تو اختلاف کے باوجود جمعیۃ العلماء کی طرف سے چند سالوں قبل جب امیر الہند کے انتخاب کا چرچا چل رہا تو آپ کا نام بھی امارت کے لئے تجویز کر دیا تھا۔

مولانا کی اس فکر رسا کا اصل ماخذ و منبع قرآن مجید تھا۔ چنانچہ آپ کی ساری تحریریں زیادہ تر قرآنی استدلالات سے پر ہیں۔ ہر مسئلہ کا حل آپ قرآن کی روشنی میں تلاش کرتے تھے۔ صبح شام تلاوت قرآن آپ کا معمول تھا۔ "تیسیر القرآن" کے نام سے تفسیر بھی لکھنی شروع کی تھی لیکن سورہ بقرہ ہی تک مکمل ہوئی تھی کہ جماعتی ضروریات کے تحت اسے موقوف کیا اور پھر آج تک وہ پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی بہرحال جس قدر ہے وہ ایک گنجینہ ہے۔ اسے جلد زیور طبع سے آراستہ ہونا چاہئے۔ خود مولانا کی بھی خواہش تھی کہ وہ شائع ہو جائے۔ آخری ایام میں حسب قدرت و سہولت آپ اس پر نظر ثانی بھی فرما رہے تھے جس کی وجہ سے اس کی افادیت اور دو چند ہو گئی ہے۔ خصوصاً مغربیت زدگی کے اس دور میں اس تفسیر کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ مولانا نے کافی اور منطقی ذہن پایا تھا اس لئے عقلی اعتبار سے جس قدر بھی اشکالات ہو سکتے ہیں ان سب کا کافی و شافی جواب اس کے اندر موجود ہے۔ آپ نے غیر مسلم ذہن کی بھی اس میں رعایت کی تھی۔ اس تناظر میں بھی آج یہ ہماری ایک اہم ضرورت پوری کرے گا۔ قرآن مجید کی بنیادی باتوں کو سمجھنے کے لئے مولانا کی تصنیف "قرآن مجید کا تعارف" ایک تحقیقی تحفہ ہے۔ خود مولانا کی دوسری تصانیف بھی قرآن فہمی کی بہت سی راہیں کھولتی ہیں۔ آیات کی ایسی تشریح فرماتے ہیں کہ سارے اشکالات رفع ہو جاتے ہیں اور معانی کا ایک سمندر پیدا ہو جاتا ہے۔ کم ہی ذہن ایسی جامعیت تک پہنچ سکتے ہیں۔

مولانا کی یہ بلندی، آہنگی، اعتدال و توازن اور منفرد استدلالی اسلوب شاید ہی اور کہیں نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے جو کچھ لکھا جواب لکھا۔ مخالفت کے باوجود کسی کو اس پر کلام کی جرأت نہ ہو سکی۔ صرف ایک کتاب "تعلیقات نفاق" پر بعضوں نے استدراک لکھا لیکن اہل علم کے نزدیک مولانا ہی کی بات زیادہ باوزن رہی۔

مولانا جہاں خود تحقیق و تصنیف کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے وہیں اس سے دلچسپی رکھنے والوں سے بھی محبت کرتے تھے اور اس میدان میں آگے بڑھنے کے لئے ابھارتے رہتے تھے۔ خود راقم الحروف سے بڑی شفقت فرماتے اور خواہاں تھے کہ میں اس میدان میں آگے بڑھوں چنانچہ تقریباً تین سال قبل جبکہ ایس آئی ایم کی صدارت کی ذمہ داری ناچیز کے کندھوں پر آئی اور چار و ناچار ڈالی جا پڑی تو چند دنوں بعد مولانا بھی بغرض علاج دہلی تشریف لائے، ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا تو ملتے ہی دریافت فرمایا، "تم یہاں کہاں؟" میں نے تفصیلات بتائیں تو فرمانے لگے، "تم کہاں ذمہ داریوں کے چکر میں پھنس گئے۔ تمہیں تو کچھ علمی اور تحقیقی کام کرنا چاہئے۔ ذمہ داریاں نبھانے کے لئے تو بہت سے افراد مل جائیں گے"۔

اس سے پہلے بھی جب میں جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح کا سکریٹری تھا تو اس زمانے میں ڈرتے ڈرتے طلبہ کے سالانہ میگزین "الفلاح" کے انٹرویو کیلئے خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت مولانا جامعۃ الفلاح کے ناظم تھے جب میں نے درخواست رکھی تو پہلے مولانا نے میگزین نکالنے پر خوشی کا اظہار فرمایا، کچھ مفید مشورے دئے البتہ انٹرویو کو ٹالنا چاہا لیکن جب میں نے اصرار کیا تو خیال خاطر میں آمادہ ہو گئے اور بقلم خود سارے سوالات کے جوابات تحریر فرما کر عنایت کیا جو آج بھی جمعیۃ الطلبہ کے ریکارڈ میں موجود ہوگا۔ پھر میں نے اشاعت کے اخراجات کا مسئلہ رکھا تو یہ جانتے ہوئے کہ جمعیۃ الطلبہ کیلئے

مختص بجٹ میں رقم نہیں بچی تھی، آپ نے اپنے اختیار خاص سے اخراجات کے سلسلہ میں تعاون کا وعدہ فرمایا اور نہ صرف "الفلاح" کیلئے بلکہ سالانہ تحریری و تقریری تعاملی مقابلوں میں انعامات دینے کیلئے بھی جمعیۃ الطلبہ کے فنڈ کے علاوہ جامعہ کے فنڈ سے رقم دلوائی۔

مولانا ۱۸؍ اپریل ۱۹۸۲ء سے ۳۰ مئی ۱۹۹۰ء تک جامعۃ الفلاح کے ناظم رہے۔ یہ دور جامعہ کے سنہرے ادوار میں شمار کیا جاتا ہے۔ مولانا نے اپنی پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود بڑی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ موقع بہ موقع برابر جامعہ تشریف لاتے اور کاموں کی نگرانی فرماتے۔ مولانا جب یہاں تشریف رکھتے تو ایک خاص ہی رنگ ہوتا۔

مولانا کبھی کسی ذمہ داری کے خواہاں نہیں رہے۔ ہمیشہ اس سے دور بھاگتے، بچوں کو بھی نصیحت کرتے کہ ذمہ داریوں سے دور ہی رہنا جب تک کسی ذمہ داری کے سلسلہ میں یہ یقین نہ ہو کہ کما حقہ اس کو نبھا سکو گے اس وقت تک اس کو ہرگز قبول نہ کرنا چنانچہ آپ جب تک ناظم رہے برابر یہی کوشش رہی کہ کسی طرح اس سے جلد سے جلد سبکدوش ہوں۔

جامعہ اور اسکے نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کیلئے برابر آپ کوشاں رہے۔ اس کی خوبیوں اور خامیوں سے آپ خوب آگاہ تھے۔ چنانچہ جامعہ کے نصاب تعلیم کے سلسلہ میں ایک استفسار کے جواب پر آپ نے فرمایا تھا، "جامعۃ الفلاح کے نصاب تعلیم کے بارے میں جو بات اطمینان اور اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ اس کا رخ صحیح ہے اور اسکے بیان کردہ مقاصد بھی ایسے ہیں جن کی صحت اور محمودیت پر حرف نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن ایک سے زائد وجوہ کی بنا پر یہ نصاب تعلیم ابھی تکمیل طلب ہے۔

مولانا جامعہ کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ مولانا کے ان احساسات سے لگایا جا سکتا ہے، "آج کے طوفانی دور میں جب کہ ہر طرف مادیت کی یلغار ہے اور اخلاقی قدریں روبہ زوال ہیں، اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہوں اور ملت

اسلامیہ کو مختلف قسم کے چیلنجوں کا سامنا ہے ایسے پر آشوب دور میں "جامعہ اسلامیہ" ان چیلنجوں کا ایک "پر عزم جواب" ہے۔

مولانا صرف علمی اور فکری اعتبار ہی سے بلند مقام پر فائز نہیں تھے بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی اعلیٰ اور برتر تھے۔ خصوصاً تنگدستی اور عسرت میں جس قدر پاکیزہ روی اختیار کی ہے اس کا تصور عام حالات میں نہیں کیا جا سکتا۔ بہت بڑی پیشکش کو ٹھکرا کر اپنی درویشانہ زندگی پر قائم رہنا اور کبھی راہ حق سے قدم نہ ڈگمگانا صاحب عزیمت ہی سے ممکن ہے۔ بہت سے شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن صرف ایک بطور نمونہ ذکر کرتا ہوں۔ مولانا کے بڑے صاحب زادے ڈاکٹر افتخار احمد صاحب نے پھلواری میں پریکٹس شروع کی تو ابتدا کرایہ کے مکان میں مطب رہا۔ بعد میں جب وہ جگہ بکنے لگی جہاں آج "تبان کلینک" ہے تو ڈاکٹر افتخار احمد صاحب نے اسے خریدنے کا پروگرام بنایا۔ والد محترم سے مشورہ کیا، مولانا نے حالات اور امکانات پر غور کرنے کے بعد اجازت دے دی تو رجسٹری کا معاملہ آیا۔ وہ زمین تقریباً اسی ہزار کی مل رہی تھی اور اس وقت کے ضابطے کے مطابق پچاس ہزار سے زائد رقم کی زمین پر بیع نامہ سے پہلے انکم ٹیکس کلیرنس دکھانا ضروری تھا۔ حالانکہ اس وقت آپ میں سے کسی کی آمدنی اتنی نہیں تھی کہ انکم ٹیکس دیا جائے۔ بمشکل قرض وغیرہ کے ذریعہ رقم جمع کی گئی تھی۔ اس پر مزید انکم ٹیکس کے لیے رقم تو محال تھا۔ چنانچہ بعض کی خواہش نے یہ راہ سمجھائی کہ صاحب معاملہ سے گفتگو کر کے رقم تو اسے پوری دی جائے لیکن بیع نامہ پچاس ہزار سے کم مالیت کا کرایا جائے۔ آپ کے سامنے جب یہ تجویز آئی تو آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ "جتنے میں خریدی جا رہی ہے اتنے کی وضاحت کے ساتھ بیع نامہ کرا سکتے ہو تو خرید و ورنہ اگر رقم میں سکت نہیں تو چھوڑ دو لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ غلط بیانی سے کام لیا جائے"۔ چنانچہ فرماں بردار بیٹے نے

والد کی منشا کے مطابق طے شدہ تفصیلات کے مطابق رجسٹری کرائی اور انکم ٹیکس سے متعلق جس نوٹس کا اندیشہ تھا وہ ہو کر رہا۔ سات سال تک اس سے الجھتے رہے اور پیشی کی تاریخ کاٹتے رہے تب جا کر وہ مسئلہ صاف ہوا۔ اس قدر زحمت گوارا کی لیکن صدق و صفائی سے سرمو انحراف گوارا نہ کیا۔ قربان جائیے ایسے باپ پر اور ایسے فرماں بردار بیٹے پر۔

مولانا اس پہلو سے بھی نہایت ممتاز تھے کہ کثیر العیال ہونے کے باوجود بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیتے رہے اور الحمد للہ آج سبھی صاحب اولاد کامیاب ہیں۔ اپنے بچوں کو بچپن میں اردو، ہندی، حساب، نحو و صرف، عربی ادب، قرآن وغیرہ براہ راست پڑھاتے تھے۔ زبان کی اصلاح پر بھی خصوصی توجہ رہتی تھی۔ کردار کو بھی پاکیزہ رکھنے کی فکر رہتی۔ رامپور کے زمانہ قیام میں جب نیا نیا جوڑا بنانے کا دور ہوا تو بعض بچیوں نے اس کی خواہش ظاہر کی لیکن اسے غیر مناسب قرار دے کر آپ نے منع فرما دیا۔ خود بہت قیمتی کپڑوں کے استعمال سے احتراز فرماتے۔ بعد میں جب آمدنی کچھ بڑھنے لگی اور مولانا کیلئے بھی قیمتی کپڑے آتے تو مولانا اس پر ناگواری کا اظہار فرماتے اور کہتے کہ "اس سے کم دام والے سے بھی میرا کام چل جاتا ہے۔ زیادہ اصرار ہوتا تو کہتے "کبھی کبھی واپس کرنے پر بھی اصرار فرماتے۔ غرضیکہ صبر و شکر، حلم و بردباری، قناعت و سادگی، خلوص و للہیت، اعتدال و توازن، تحمل و نوازی، مہمان داری اور شائستگی ہر پہلو سے آپ اونچے مقام پر تھے۔ مرنے والوں پہ بیٹے اچھی اسوہ چھوڑتے ہیں۔ لیکن بعد روزگار ہستیاں مدتوں میں جنم لیتی ہیں۔ ابھی تو کوئی بدل نظر نہیں آتا۔ اللہ جلد آپ کا نعم البدل عطا فرمائے اور مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین!

اسلام اے تاجدار شعور تجدید دین — اسلام اے ناشر اسلام فرشتہ یقین
اسلام اے رقیق طاغوت وقتل روزگار — خوگر صبر و رضائے حمد کے وہ وفا

شریعت کے مستند مصادر ہی سیرت کے مستند مصادر ہیں

امیر جمعیت اہل حدیث جناب مولانا صفی الرحمن صاحب مبارکپوری جدید الفلاح تشریف لائے تو اس موقع سے موصوف سے سیرت وملت کے بعض اہم مسائل کے سلسلے میں استفادے کی کوشش رہی لیکن مختلف اسباب سے جملہ سوالات کے جوابات نہیں مل سکے۔ جو جوابات مل سکے انھیں افادہ عام کی غرض سے ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔

ملاقاتی: انیس احمد فلاحی مدنی

س : مختصراً آپ کا تعارف!

ج : میرا مختصر تعارف یہ ہے کہ نام صفی الرحمن ہے، مبارکپور کا ایک محلہ شاہ آباد میری جائے پیدائش ہے اور وہیں رہائش بھی ہے۔ شروع میں مقامی مدارس کے اندر تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد مدرسہ فیض عام مئوناتھ بھنجن سے تعلیم کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مختلف اداروں میں تعلیم دیتا رہا۔ اخیر میں چودہ برس تک جامعہ سلفیہ بنارس میں تدریسی خدمات انجام دیں اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ چلا گیا۔ اس وقت میں ریسرچ میں کام کر رہا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اس وقت ہندوستان میں جمعیت اہل حدیث کی ذمہ داری بھی ہے۔

س : گویا یہ دونوں ذمہ داریاں آپ ایک ساتھ نبھائیں گے؟

ج : جی اس کے متعلق فیصلہ کرنا ہے قطعی اور یقینی۔ لیکن فی الحال دونوں ذمہ داریاں چل رہی ہیں۔

س : سیرت نبوی ﷺ چونکہ آپ کا خاص موضوع ہے اس لئے اس سلسلہ میں بالخصوص چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ سیرت نبوی ﷺ سے متعلق مستند اور معتبر مصادر کیا ہیں؟

ج : سیرت پر مستند اور معتبر مصادر تو وہی ہیں جو خود شریعت کے مستند اور معتبر مصادر ہیں۔ قرآن مجید میں اگر ہم غور کریں اور مختلف زاویوں سے نگاہ ڈالیں تو سیرت کے بہت سارے مواد ملیں گے۔ انکی طرف کہیں اشارہ ملے گا کہیں تفصیل ملے گی اور کہیں اجمال ملے گا۔ اس طرح مختلف معلومات ہم کو قرآن مجید میں مل سکتی ہیں۔ جو چیزیں صراحتاً موجود نہیں ہیں وہ اشارتاً بھی موجود مل سکتی ہیں۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ سنت کا ہے یعنی کتب احادیث کا ہے کتب احادیث کے تعلق سے ہم لوگوں نے کام کیا تھا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیرت کی جو روایات ہیں ان کو کمپیوٹر کے ذریعہ سے نکال کر کے مرتب کیا گیا تھا اور شروع سے لیکر اخیر تک سیرت کے جتنے موضوعات اور ابواب ہیں تمام ابواب وموضوعات کے تعلق سے احادیث موجود ہیں جو خود سیرت کی کتابوں کے اندر موجود نہیں ہیں لیکن یہ معلومات پورے طور پر جامع نہیں ہیں۔ پورے طور پر جامع نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جب آپ مرتب کریں گے تو جگہ جگہ آپ کو خلا محسوس ہوگا۔ ایک مسلسل سیرت کی کتاب جس طرح سے معلومات فراہم کرتی ہے وہ ساری معلومات اس میں تسلسل کے ساتھ نہیں مل سکیں گی۔ جگہ جگہ اس میں انقطاع ہوگا لیکن سیرت کا مواد بہت بڑی مقدار میں ان

کتابوں کے اندر مل جاتے ہیں یعنی بخاری اور مسلم میں۔ اس کے علاوہ میں نے آپ کو ایک فہرست تیار کی تھی تو ان کتب ستہ کے اندر بہت سی احادیث تو ایسی ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں لیکن بہت ساری احادیث ایسی ہیں جو بخاری اور مسلم سے زائد ہیں اور سیرت کے کسی پہلو کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اس تحقیق سے جن جو موضوعات سامنے آئے تو وہ موضوعات شروع سے آخر تک سیرت کے تمام گوشوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اس کا جو تیسرا مرحلہ تھا یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم پہلا مرحلہ اور کتب اربعہ دوسرا مرحلہ تھا۔ تیسرے مرحلے میں مسند احمد کی چھان بین شروع کی تو اندازہ ہوا کہ مسند احمد میں سیرت سے متعلق بہت سی احادیث ہیں جو بہت زیادہ ہیں اور اگر ان کو بھی ان کتابوں کی احادیث کے ساتھ ملا کر کے مرتب کیا جائے تو قریب قریب پوری سیرت تیار ہو جاتی ہے۔ یعنی تفصیلی طور پر تو پوری سیرت تیار نہیں ہوتی ہے لیکن قریب قریب پوری سیرت تیار ہو جاتی ہے۔ تو یہ دو ماخذ جو سیرت کا بنیادی کتب احادیث ہیں اور تیسرے مرحلے میں وہ کتابیں آتی ہیں جن کو ہم کتب سیرت کہتے ہیں۔ تیسرے مرحلے میں اس کے آتی ہیں۔ ان کا پہلا حصہ تو ان مغازی کے تو ابتدائی ماخذ ہیں لیکن اپنے اپنے ثبوت کے لحاظ سے نہ کتب احادیث کے برابر ہیں اور نہ کتب احادیث کے برابر ہیں بلکہ ان دونوں سے وہ ذرا نیچے ہیں تو ان کو تیسرے مرحلے کی کتابیں ہم نے کہا ہے۔ ویسے سیرت کی کتابیں بھی دونوں سے زیادہ جامع ہیں اور موضوعات کا زیادہ احاطہ کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں مشہور ترین کتاب تو وہی ہے جس کو "سیرت ابن ہشام" کہا جاتا ہے جو "سیرت ابن اسحٰق" کی تہذیب ہے لیکن اس کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں جن میں "دلائل النبوۃ للبیہقی" بھی اس اعتبار سے جامع ہے کہ سند کے ساتھ یہ کتاب شروع سے آخر تک

اس کے بعد بعض اور کتابیں آتی ہیں جو مستند ترین ہوئی ہیں۔ ان ساری کتابوں سے متاخر جو کتاب ہے وہ "البدایہ والنہایہ" ابن کثیر کی ہے۔ ابن کثیر نے اپنی سند سے وہ روایات تو ذکر نہیں کی ہیں لیکن جن کتابوں میں سیرت کی روایات ہیں ان کتابوں سے انہوں نے بڑی جامعیت کے ساتھ روایات لی ہیں اور ان کو ترتیب دیا ہے اس اعتبار سے اس کی بھی بڑی اہمیت محسوس ہوتی ہے۔

س : عام طور سے یہ بات مشہور ہے کہ محمد ابن اسحٰق اور واقدی یہ دونوں بہر حال ضعیف راوی ہیں۔ محمد ابن اسحٰق مدلس ہیں اگرچہ ثقہ ہیں اور واقدی کے بارے میں تو وضع حدیث کا الزام بھی لگایا گیا ہے لیکن متعدد مقولے اس طرح سے نظروں سے گزرتے ہیں کہ سیرت کے باب میں یہ لوگ حجت ہیں تو آخر ایسے وضاعین کو حجت کیوں مان لیا جائے؟

ج : دیکھئے محمد ابن اسحٰق کو کسی نے وضاع یا کذاب نہیں کہا ہے بلکہ ان کو مستند قرار دیا گیا ہے اور ان کی روایات قبول کی گئی ہیں۔ ان کے اوپر جو الزام ہے وہ یہ ہے کہ وہ تدلیس کرتے تھے لہٰذا جو روایات وہ عنعنہ کے ساتھ روایت کرتے ہوں اس میں تدلیس کا امکان اور احتمال موجود ہے اس لئے ان روایات کو قبول کرنے میں توقف اختیار کیا جائے گا اور جو روایتیں اس نے حدثنا یا اخبرنا یا اسی طرح کے الفاظ سے تعبیر کیا ہو جس سے کہ ملاقات یا سماع ثابت ہوتا ہو وہ روایات تسلیم کی جائیں گی اور ان روایات میں انکو حجت مانا جائے گا۔ تدلیس کے سلسلے میں حکم یہی ہے کہ جہاں وہ سماع کی صراحت کر دے وہاں تدلیس کا شبہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ روایات قبول کر لی جائیں گی اور جہاں تدلیس کی صراحت نہ کرے تو وہاں تدلیس کا امکان موجود رہتا ہے لہٰذا اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا اگر اس کو راجح کرنے والی کوئی چیز مل جائے تو

اس کو راجح قرار دیں گے اور مرجوح قرار دینے والی کوئی چیز ملے تو اسے مرجوح قرار دیں گے۔ ابن اسحٰق کی بہت سی روایتیں ایسی ہیں جن میں تدلیس موجود ہے لیکن بعض قرائن ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ روایتیں ساری کی ساری نہیں لیکن بہت سی روایتیں قابل قبول ہیں۔ اس سلسلے میں جو قرائن ہیں وہ داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی ہیں مثلاً جو روایتیں اس نے ذرا تفصیل اور وضاحت سے بیان کی ہیں وہی روایت یا اس کے بعض اجزاء دوسرے راویوں نے جو کہ صحیح ہیں اپنی سند سے ذکر کیے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جس روایت میں تدلیس کی ہے اور دوسرا اسی طرح کی بات بغیر تدلیس کے بیان کر رہا ہے تو گویا اس روایت کی اصل موجود ہے اور وہ کسی حد تک قابل اعتماد اور قابل اعتبار ہے۔

اس کے علاوہ سیرت کے موضوع پر روایت کو اس پہلو سے بھی دیکھا جائے گا کہ جس واقعہ کو اس روایت میں بیان کیا جا رہا ہے اس واقعہ سے یعنی اس بیان سے پہلے اس واقعہ کا جو جزء ہے اور اس بیان کے بعد اس واقعہ کا جو جزء ہے ان سب میں مطابقت کہاں تک پائی جاتی ہے۔ اگر اس طرح کی مطابقت پائی جاتی ہے کہ پورا بیان یعنی پہلے والا بعد والا اور خود اس روایت والا یہ سب مل کر کسی ایک واقعہ کی تقریباً تکمیل کر رہے ہیں اور ٹھیک ٹھیک اس واقعہ کو جز بجز بیان کرتے جا رہے ہیں تو ایسی صورت میں یہ نوعیت اس بات کی داخلی شہادت ہے کہ اگرچہ اس نے وہاں عنعنہ سے روایت کی ہے مگر تدلیس نہیں کی ہے اور روایت صحیح ہے اس طرح کی داخلی شہادت کی بناء پر بھی اس روایت کو قبول کریں گے اور پھر اس سلسلے میں ابن قیم وغیرہ نے ایک بات یہ بھی کہی ہے کہ احکام کی جو احادیث ہیں یعنی جن احادیث میں حرام و حلال کے احکام بیان کیے گئے ہیں ان احادیث کو قبول کرنے کے لئے جو کڑی شرائط لگائی گئی ہیں سیرت کے

واقعات میں اس طرح کی چیزوں کو قبول کرنے کے لئے اس طرح کی کڑی شرط نہیں لگے گی۔ لہٰذا کم درجے کی روایات جو بظاہر صحیح محسوس ہو رہی ہوں ان کو قبول کر لیا جائے گا بشرطیکہ اس روایت پر کسی قسم کا شرعی حکم مرتب نہ ہوتا ہو۔ اگر حرام و حلال کا کوئی شرعی حکم مرتب ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ تو محمد بن اسحٰق سے متعلق ہے۔ واقدی کے سلسلے میں تو لوگوں نے کچھ زیادتی بھی کی ہے۔ اس کو جو کذاب یا وضاع کہا جاتا ہے یہ اصل میں زیادتی ہے۔ واقدی کا قصور یہ تھا کہ وہ بہت ساری روایات کو لے کر نئے سرے سے ترتیب دیتا تھا۔ بہت ساری روایات کو سامنے رکھ کر کے ایک مرتب مضمون تیار کر کے اس کو بیان کر دیتا تھا یہ چیز تلفیق کے درجے میں آتی ہے اور چونکہ تلفیق بھی محدثین کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے اس لئے واقدی کو انہوں نے قابل قبول قرار نہیں دیا لیکن یہ کہ اس کو کذاب کہا جائے اس کی روایات کو جھٹلایا جائے اس کے قائل محدثین بھی نہیں تھے۔ انہوں نے اسی بنیاد پر اس کو چھوڑا تھا کہ وہ تلفیق کرتا ہے۔ سیرت کی جو روایات اس نے بیان کی ہیں اس میں دو طرح کی روایات ہیں کچھ تو منفرد روایات ہیں یعنی اس نے کوئی واقعہ بیان نہیں کیا ہے کسی واقعہ کو تسلسل کے ساتھ نہیں بیان کیا ہے بلکہ ایک روایت میں بعض اجزاء جیسے آ جاتے ہیں اسی طریقے سے بعض اجزاء اس کے اندر آ گئے ہیں۔ "طبقات ابن سعد" کے اندر زیادہ تر روایات اسی قسم کی ہیں دوسری قسم کی روایات اس کی اس طرح کی ہیں کہ اس نے کسی ایک واقعہ کو پکڑ کر پورے تسلسل کے ساتھ بیان کر دیا ہے مگر یہ کام بھی اس نے بہت زیادہ نہیں کیا ہے۔ اپنی "مغازی" میں اس نے کہیں کہیں اس طرح کے واقعات بیان کیے ہیں لیکن اس بیان کے دوران بھی وہ کہیں پر معاملہ کو کاٹ کر کے سند کو بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔ بہر حال چونکہ اس نے تلفیق کی ہے اور

محدثین کے نزدیک یہ صورت قابل قبول نہیں ہے اس لئے اس قسم کی روایت کو استدلال کے طور پر قبول نہیں کیا جائے گا۔ دوسری روایت کے ساتھ ملا کر کسی واقعہ کی وہ تکمیل کر رہا ہے تو اس کو قبول کریں گے۔ ایک بات تو اس کے اندر یہ پائی جاتی تھی دوسری چیز ایسی ہے جس کے بارے میں آپ اس کو کذاب یا وضاع یا اس طرح کے اوصاف سے متصف نہیں کر سکتے اور اس کو اس کی روایت بھی نہیں مگر اس نے یہ کیا تھا کہ فتوحات جہاں جہاں پیش آئے وہاں جا کر اس نے پوری سرزمین کا معائنہ کیا اور پورے علاقے اور پورے نقشے کو دیکھ کر اس نے پورا نقشہ اپنے ذہن میں جمایا اور اس پورے نقشے کو اس نے بیان کرتے ہوئے کئی کئی واقعے کی تفاصیل کے درمیان میں وہ روایتیں بھی پیش کرتا رہا۔ اب یہ جو خط وہ کھینچ کر کے اس کی جو نوعیت بیان کر رہا ہے ظاہر ہے اس بیان میں ہم اس کو راوی نہیں کہہ سکتے اور اس کے اوپر احکام بھی نہیں لگا سکتے جو کہ لوگوں نے لگائے ہیں بلکہ اس سلسلے میں اگر مزید تحقیق کر لی ہو تو آج بھی وہ جگہیں موجود ہیں اور جا کر کے دیکھی جا سکتی ہیں اور دیکھ کر فیصلے کئے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر خیبر کے غزوے کو وہ بیان کرتا ہے تو تفصیل کے ساتھ بتاتا ہے کہ خیبر کی تین آبادیاں تھیں الگ الگ ایک آبادی شمال کی جانب تھی ایک آبادی بیچ میں تھی اور ایک آبادی جنوب کی جانب تھی۔ نبی ﷺ مغربی راستے سے مڑ کر گئے اور جا کر کے شمالی آبادی کے شمال میں آپ نے پڑاؤ ڈال دیا اس طرح یہود کے لئے ملک شام بھاگنے کا راستہ بند ہو گیا پھر پہلے جو آبادی تھی اس کے اندر فلاں فلاں قلعے موجود تھے۔ ان قلعوں کو اس ترتیب سے فتح کیا۔ اس کے بعد آپ دوسری آبادی کی جانب چلے اس میں فلاں فلاں قلعے موجود تھے ان قلعوں کو اس ترتیب سے آپ نے فتح کیا اس کے بعد آخری جو آبادی تھی یعنی مدینے کی جانب سے

پہلی جو آبادی تھی اس کا آپ نے محاصرہ کیا اس میں فلاں فلاں قلعے موجود تھے۔ فلاں قلعے کو آپ نے جنگ سے فتح کیا باقی جو دو قلعے تھے وہ خود بخود انہوں نے مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ یہ تفصیلات وہ بتاتا ہے۔ اب اس میں غلط بحث یہ ہوتا ہے کہ وہ آبادی کی نوعیت و کیفیت بھی بیان کرتا ہوا چلتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بیچ بیچ میں واقعات و روایات بتاتا ہوا بھی چلتا ہے اور وہ غزوہ خیبر کے سلسلے ہی میں بیان کرتا ہوا چلتا ہے تو کہتا ہے کہ حویصہ بن مسعود یا محیصہ بن مسعود کو یہود نے قتل کر کے پہلی آبادی کے خاتمے پر یا دوسری آبادی کے خاتمے پر ایک چشمہ تھا گڑھا تھا وہاں پر ان کو ڈال دیا تھا۔ ان کے قتل کا واقعہ تو روایات سے تعلق رکھتا ہے لیکن ان کے قتل کا جو مقام تھا اور اس کا جو گڑھا تھا یا جو جگہ تھی اس نے خود مشاہدہ کر کے اس کا تعین کیا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ ہو جاتی ہیں اس سے لوگ کافی حساس ہو جاتے ہیں الرجک ہو جاتے ہیں۔ یہ کیا بیان کر دیا اس نے جو کہیں اور نہیں ہے حالانکہ وہ دونوں چیزیں مخلوط کر دیتا ہے تو واقدی کو سو فیصدی حجت تو نہیں کہہ سکتے مگر اس کے جو بیانات ہیں ان کے درمیان تمیز کر کے جو قابل قبول ہیں ان کو اختیار کیا جا سکتا ہے جو قابل قبول نہیں ہیں ان سے توقف اختیار کیا جا سکتا ہے۔

س: فقہ السیرہ پر سب سے عمدہ کتاب کون سی ہے؟ کہا جاتا ہے کہ یہ فن نیا ہے کیا قدماء کے یہاں اس کا سراغ نہیں ملتا؟

ج: فقہ السیرہ پر تو آجکل کئی کتابیں لوگوں نے لکھی ہیں ایک شیخ غزالی نے لکھی ہے ایک ڈاکٹر بوطی نے لکھی ہے اور اس فن کی کتابیں تو بلاد عربیہ میں پڑھائی بھی جا رہی ہیں یا زیر مطالعہ بھی ہیں مگر یہ فن اپنی نوعیت میں بالکل نیا بھی نہیں ہے اس لئے کہ ابن قیم نے "زاد المعاد" جو لکھی ہے تو "زاد المعاد" میں فقہ السیرۃ کا حصہ ان لوگوں کے

مقابلے میں زیادہ ہے۔ ان لوگوں نے فقہ السیرۃ کے نام سے جو کتاب تالیف کی ہے اس میں سیرت کے مختلف واقعات کی علتیں بیان کی ہیں اور اس کو فقہ السیرۃ قرار دیا ہے۔ لیکن ابن قیمؒ نے جو کام کیا ہے وہ اس سے مختلف ہے اور اس میں فقہ السیرۃ کے نام پر واقعی انہوں نے فقہ کو جمع کیا ہے اور مسائل اور غزوات کے تعلق سے ان کے بڑے وسیع استنباطات ہیں جو کہ ان کتابوں کے اندر موجود نہیں ہیں اس اعتبار سے ہم اس کو زیادہ قابل قبول بھی کہہ سکتے ہیں اور قابل اعتماد بھی کہہ سکتے ہیں اور ان کتابوں کو فقہ السیرۃ کے بجائے حکم السیرۃ یا علل السیرۃ کہہ سکتے ہیں کیونکہ ان میں فقہ کی جگہ پر علت اور حکمت زیادہ بیان کی گئی ہیں۔

س : عام لوگوں کے لئے جو عربی زبان سے نابلد و ناواقف ہوتے ہیں سیرت کے مطالعہ کے لئے کون سی کتاب کا مطالعہ زیادہ مفید ہوگا؟

ج : ہمارے ہندوستان میں تو سیرت کی بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ایک تو "اصح السیر" لکھی گئی ہے مولانا عبدالرؤف داناپوری کی طرف سے، ایک "سیرۃ النبی ﷺ" مولانا شبلی کی طرف سے "رحمۃ للعالمین" لکھی گئی مولانا سلیمان منصور پوری کی طرف سے۔ ہر آدمی نے اپنے اپنے طور پر کوشش کی اور سیرت کے موضوع کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں ان کتابوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے کر باقی کتابوں کو مرجوح قرار دینے کی کوئی گنجائش نظر تو نہیں آتی ہے۔ البتہ لوگوں کے اپنے انداز اور طریقے الگ الگ ہیں۔ مولانا شبلیؒ نے جو کتاب لکھی ہے جہاں تک شبلیؒ کی تحریر ہے اس میں انہوں نے اس بات کا کافی لحاظ رکھا ہے کہ وہ ان کے اپنے پیمانے کے اعتبار سے معقول ہونی چاہئے اور اپنے پیمانے سے معقول قرار دینے کے لئے انہوں نے کئی جگہ واقعات کی توجیہ اور

کیفیت میں تبدیلی پیدا کردی ہے۔ میں نے شروع شروع میں جب کام شروع کیا تو میرے سامنے ابن ہشام کی سیرت بھی تھی اور مولانا کی سیرت بھی میں نے رکھی تھی۔ واقعات کے بیان میں کئی جگہ واضح فرق نظر آیا اس سے اچاٹ ہوکر کے اور وقت کی تنگی کی بنا پر میں نے کتاب بند کردی اور صرف سیرۃ ابن ہشام کو سامنے رکھا کیونکہ جو بات کسی کتاب میں بیان کی گئی ہے اس کتاب کے حوالے سے اگر اس کو پیش کیا جائے تو جیسے اس نے بیان کیا ہے ویسے پیش کیا جائے اس کے بعد اس پر جو نقد و تبصرہ ہو کیا جائے لیکن اس کی صورت تبدیل نہ کی جائے یعنی مصنف کا حوالہ ہو اور وہ مصنف کچھ اور کہہ رہا ہو اور اس کو کسی اور صورت میں پیش کیا جارہا ہے یہ چیز درست نہیں ہے اسلئے میں نے اس کو بند کردیا لیکن آگے سید سلیمان ندویؒ نے جو چیز لکھی تھی اس میں انہوں نے اس چیز کا التزام کیا تھا اور اس کو بھی میں پورے طور سے دیکھ نہیں سکا ہوں۔

س : کہا جاتا ہے کہ "سیرۃ النبی" میں بڑے اعلیٰ تحقیقی اصولوں کا لحاظ رکھا گیا ہے کیا آپ اس سے متفق ہیں؟

ج : اصل میں اعلیٰ تحقیقی اصول تک پہنچتے پہنچتے اگر آدمی اس مرحلے میں پہنچ جائے کہ بہت سی صحیح اور ثابت چیزوں کو بھی رد کرڈالے تو اب یہ اعلیٰ تحقیقی اصول جو ہوتے ہیں وہ اصل اصول سے ہٹے ہوئے ہوجاتے ہیں۔ شبلیؒ نے بعض مثالیں پیش کی ہیں اور اس میں صحیح اور ثابت شدہ واقعات کو انہوں نے رد کیا ہے اپنے درایتی یا عقلی اصولوں کی بنیاد پر تو اس قسم کا کام جو ہے کم از کم میری نظر میں کوئی اعلیٰ اصول کا کام نہیں ہے۔

س : آپ کی کتاب "الرحیق المختوم" کی آپ کی نظر میں کیا خوبیاں ہیں جو سیرت کی عام کتابوں میں نہیں پائی جاتیں؟

ج : سیرت کی عام کتابوں میں کیا کیا چیز نہیں پائی جاتی ہے اس کا تعین کرنا تو میرے

لئے مشکل ہے۔ میں نے اپنی کتاب میں جو بات شروع میں کہی تھی شروع سے اسکیں
تھوڑی سی پیچیدگی تھی۔ میں یہ چاہتا تھا کہ کتاب وسنت سے جو صحیح ثابت ہے سب سے
پہلے اس کو درج کر دوں اور اس کے بعد سیرت کی کتابوں سے واقعات کو درج کروں
لیکن وقت بہت کم تھا یعنی جو اعلان مقابلے کا ہوا تھا اس اعلان میں اور جمع کرنے کی
تاریخ میں نو مہینے سے کچھ زیادہ کا وقت تھا۔ اس میں سے میں نے تقریباً چار پانچ مہینے تو
اس طرح گزار دیے اس عزم اور ارادے کی بنیاد پر کہ مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے اور میں
یہ نہیں کروں گا۔ تو مجھ کو جو کل وقت ملا وہ چار مہینے کے قریب کا وقت تھا۔ اب اتنے
سے وقت میں تمام مصادر کو کھنگال کر کے روایات کو جمع کرنا بہت مشکل کام تھا اس لئے
میں نے کوشش تو کی حتی الامکان ان چیزوں کو اپنے سامنے رکھنے کی اور کہا بھی صحیح
بخاری وغیرہ کی روایت کو لیکن بہت سے مقام پر یہ کرنا پڑا کہ مجھے یہ بات یاد تھی کہ یہ
بات صحیح بخاری کے اندر موجود ہے لیکن وقت اس کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ میں اس کو
تلاش کر کے درج کروں۔ میں نے سیرت ابن ہشام ہی سے اس کو درج کر دیا ہے یہ
جانتے ہوئے بھی کہ یہ موجود ہے تو بہر حال اس میں جس قدر بھی کتاب وسنت کی
باتیں آسکیں وہ اس کی ترجیح کے لئے ایک سبب بن سکتی ہیں کہ جو ذریعہ یہ مصدر اختیار
کیا گیا وہ زیادہ مستند تھا۔ دوسری چیز میں نے یہ کی کہ واقعات کو مختصر رکھنے کی کوشش کی
اور اس اختصار کے لئے بھی تو یہ کیا کہ چند لفظوں میں بات بیان کر دی اور تفصیل کے
لئے نیچے حوالہ دے دیا کہ فلاں جگہ آپ دیکھ لیجئے اور بھی یہ کیا کہ کسی روایت کا صرف
ایک ٹکڑا جو اس مضمون سے متعلق تھا اس کو لیا باقی سب کو چھوڑ دیا۔ اس طرح سے
ایک مرکزی انداز پر سلسلہ چلتا رہا اور مسلسل واقعات میں خلل نہیں پڑنے پایا۔

س: آخری سوال یہ ہے کہ نوجوانوں کے نام آپ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ خاص

طور پر اس لئے بھی کہ آپ ایک جماعت کے امیر بھی ہیں۔

ج: دیکھئے نوجوانوں کے نام دو باتیں عرض کرنے کے لائق ہیں ایک تو یہ کہ وہ خالص
اسلام کو طلب کریں اور تلاش کریں اور اختیار کریں اور خالص اسلام کو تلاش کرنا اور
اختیار کرنا یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے یہ سب کا سب موجود ہے کتاب وسنت کے اندر
پایا جا سکتا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اس خالص اسلام کو خود اختیار کریں اور عملی طور پر
خود اس کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی کوشش کریں، صرف نظری طور پر اس کو
حاصل کر لینے پر اکتفا نہ کریں۔ عملی طور پر جب اس کو برتنے کی کوشش کریں گے تو
انشاء اللہ اس کے بڑے مفید نتائج برآمد ہوں گے اور اس کے نتیجے میں کچھ ایسی راہیں
کھلیں گی جو صرف نظری طور پر جان لینے سے نہیں کھلتی ہیں اور جب یہ راہیں کھلیں گی
تو ان شاء اللہ وہی امت کے لئے بڑے فائدے کی بنیاد بنیں گی۔

مولانا سید حامد حسینؒ نمبر
ماہنامہ "حیات نو" کی خصوصی پیشکش
"مولانا سید حامد حسینؒ نمبر" کے
کچھ شمارے دفتر میں موجود ہیں
خواہش مند حضرات اس کی قیمت
۴۰ روپے بھیج کر حاصل کر سکتے ہیں

شرح اشتہارات

آخری صفحہ ٹائٹل	۲۰۰۰
اندرونی صفحہ ٹائٹل	۱۲۰۰
آخری صفحہ ٹائٹل اندرونی	۱۲۰۰
پورا صفحہ (اندرونی)	۱۰۰۰
نصف صفحہ (اندرونی)	۵۰۰
چوتھائی صفحہ (اندرونی)	۳۰۰

پتہ: منیجر "حیات نو" جامعۃ الفلاح، بلریاگنج، اعظم گڑھ ۲۷۶۱۲۱ (یوپی)
Phone : 05466-25115

تاریخِ ہند کا المیہ

مختار احمد مکی

ریڈر و صدر شعبۂ سیاسیات

کریم سٹی کالج، جمشید پور (بہار)

بقول سیموئیل بٹلر خدا ماضی کو نہیں بدل سکتا ہے لیکن مورخ بدل سکتا ہے۔ تاریخ نویسی دراصل ایماندارانہ وقائع نگاری اور واقعات و حالات کے بے لاگ اور متوازن تجزیہ کا نام ہے لیکن بدقسمتی سے ہندوستانی تاریخ کو زہر آلود کرنے کا کام پچھلے ڈھائی سالوں سے بڑی خاموشی اور تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ تاریخ کو مسخ کرنے کا کام اتفاقی بھی ہوتا ہے اور ارادۃً اور منصوبہ بند بھی۔ اتفاقی طور پر تاریخی افراد یا حادثہ کو سیاق و سباق سے الگ غیر واضح مبہم اور غلط انداز میں دیکھا اور پرکھا جاتا ہے جبکہ منصوبہ بند کھلواڑ میں تاریخی حقائق کو جان بوجھ کر صداقت کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاتا ہے۔ نئے نئے افسانے اور کہانیاں تراشی جاتی ہیں صداقت چھپائی جاتی ہے اور انہیں اپنے فائدہ اور نقطۂ نظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ترتیب دے کر پیش کیا جاتا ہے گرچہ یہ دونوں ہی تاریخ کی سچائی کے اصول کے خلاف ہے۔ لیکن دوسرا زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

جب فاتح قوم مفتوح کی تاریخ لکھتی ہے تو تاریخی اصولوں کا اکثر مذاق اڑایا جاتا ہے ان کے واقعات یا افراد کے کردار کو غلط انداز میں پیش کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ یونانی مورخین نے Hannibal جیسے بہادر سپہ سالار کو وحشی اور خونخواری کی شکل میں پیش کیا۔ خود ہندوستان میں آرین ادب خاص طور پر وید نے وادی سندھ کی تہذیب کو

غیر متمدن لوگوں کی تہذیب کے طور پر پیش کیا۔ ان کے بعد راشٹر وادیوں اس پالسی جاتو دھانس دیو اور راکشش مانے گئے ان کے چہرے کے خد و خال کو مسخ کیا گیا۔ راون، بالی اور ہنومان وغیرہ اس کی مثالیں ہیں جبکہ بقول ایس کے ابواس: آریوں نے ہندوستان کی عظیم تہذیب کی بیخ کنی کی، آباد اور پر رونق شہروں کو تباہ و برباد اور ویران کیا ان کی عظیم تمدنی وراثت کو اس طرح پامال کیا کہ آج اس کی شناخت کا کوئی بھی نشان موجود نہیں(۱) تقریباً یہی اصول ہندوستان میں انگریزوں نے بھی اپنایا۔ جب ذاتی اغراض اور خاص مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے تاریخی غیر جانبداری کو ترک کیا گیا، تاریخی واقعات کو غلط ملط کیا گیا اس کی غلط تفسیریں اور تشریحیں پیش کی گئیں۔ جھوٹے اور بنے بنائے واقعات کو تاریخ کا حصہ بنا دیا گیا خیالی اور مفروضہ جرائم کی من گھڑت داستانیں تحریر کی گئیں لیکن ان سب سے زیادہ افسوسناک واقعہ یہ ہے کہ اپنے ہی ملک کے دانشور اور مورخین نے ذہنی غلامی کے باعث ان باتوں کو حرف آخر سمجھا اور ان کے جملوں کو نہ صرف طوطی صفت دہرانا شروع کیا بلکہ مسلم اور اسلام دشمنی میں انگریزوں سے بھی آگے نکل جانے کی کوشش میں لگ گئے اور یہ ہندوستانی تاریخ کا المیہ ہے کہ تاریخ کے ساتھ یہ کھلواڑ آج بھی جاری ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ پہلی بار انگریزی حکومت کے قیام کے بعد پورے ہندوستان کے لئے تاریخیں مرتب کی گئیں اور یہ کام بڑے پیمانہ پر ہوا لیکن اس کے پس پشت انگریزوں کے جو محرکات تھے اس پر بھی نظر رکھنی ہوگی۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے ہندوستان کی حکومت چھینی تھی اور مسلمانوں کو ہی اقتدار کی شطرنج پر شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ مسلمان نوابوں اور امراء میں انگریزوں سے نفرت ایک لازمی امر تھا اس وجہ سے انگریزوں سے دور رہے۔ انہیں اپنا حکمراں تسلیم نہیں کیا

اور انگریز مخالفت میں کوئی بھی دقیقہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا ان کا مذہبی طبقہ بلکہ زیادہ ہی پیش پیش رہا انگریزی افواج یا انگریزوں کی نوکری کو حرام سمجھا گیا۔ انگریزوں کا اقتدار جیسے جیسے مضبوط ہوتا گیا مسلمانوں کی نفرت بھی بڑھتی گئی ہندوؤں کا مسئلہ اس کے برعکس تھا اقتدار کی منتقلی ان کیلئے صرف حکمران کی تبدیلی تھی کوئی ایمان و دھرم کا مسئلہ نہیں تھا۔ پورنیہ جو ٹیپو سلطان کا معتمد اور دیوان خاص تھا اس کی شہادت کے بعد انگریزوں کا دیوان بن گیا۔ انگریزوں کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ مسلمان ان کے قابو میں آنے والے نہیں ہیں اس لئے سیاسی حکمت عملی اور تجارتی مفاد کے پیش نظر انہوں نے ہندوؤں کے دلوں کو جیتنا شروع کر دیا جو کہ اتفاق سے یہاں اکثریت میں بھی تھے۔ پیچھے حکومت کی جانب سے جو بھی تحریکیں یا سکیمیں شروع کی گئیں اس میں مسلم دشمنی اور ہندو نوازی کا خاص خیال رکھا گیا۔ لارڈ ایلن برو (Elen Bourough) کے زمانہ میں مسلم دشمنی کا رجحان اپنے نقطہ عروج پر تھا۔ ۱۸ جنوری ۱۸۴۳ء کو لارڈ ولنگٹن کے نام اپنے ایک خط میں تحریر کیا ہے کہ "میں اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمان بنیادی طور پر ہمارے دشمن ہیں اس سے ہماری حکمت عملی ہندوؤں کو خوش کرنے کی ہونی چاہئے کیونکہ یہ بے وقوفی ہوگی کہ دس فیصد عوام جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں ان کے لئے نوے فیصد کو خوش نہ رکھیں (۲) اس کے ساتھ ان میں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو (Divido et Empira) کی پالیسی کے تحت ہندوؤں کو مسلمانوں سے برگشتہ کرنے اور ان دونوں فرقوں کے درمیان نفرت کی آگ بھڑکانے اور جاری رکھنے کی تمام تر کوشش بھی کی اس کے لئے انہوں نے ہندوستان کی تاریخ کو استعمال کیا اور اس طرح جو تاریخ مرتب ہو پائی وہ بقول شخصے وہ تاریخ ہے جو انگریزوں کے ذریعہ ہندوستانیوں کے لئے بنائی گئی اور ان پر زبردستی تھوپی بھی گئی۔ ایک مثال سے یہ

بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم دشمنی میں لارڈ ایلن برو نے کس طرح حکومت کی پوری مشنری کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں لگا دیا۔

پہلی اینگلو افغان جنگ ۱۸۳۹ء کی ہار کا بدلہ لینے کیلئے پوری تیاری اور قوت کے ساتھ انگریزوں نے ۱۸۴۲ء میں افغانستان پر حملہ کیا اور کابل فتح کر لیا جنرل ناٹ نے غزنہ کی جامع مسجد کے صدر دروازہ کو اکھڑوا کر ہندوستان روانہ کیا تاکہ ہندوستانیوں کو کابل کے فتح کر لینے کا یقین دلایا جائے۔ لارڈ ایلن برو (گورنر جنرل) نے اس کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پھیلانے اور ہندو قوم پر احسان عظیم جتانے کا سنہرا موقعہ سمجھا۔ وہ شملہ سے فیروز پور پہونچا دریائے ستلج کے پل کے پاس ایک عظیم الشان جشن منعقد کر کے اس نے کابل کے فاتح لشکر اور غزنہ کے شاہی مسجد کے دروازہ کا استقبال کیا اور اسے محمود غزنوی کے ذریعہ لوٹے گئے سومناتھ کے مندر کا دروازہ قرار دیتے ہوئے ہندو راجہ اور سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا کہ "بالآخر آٹھ سو سالہ پرانی بے عزتی کا بدلہ لے لیا گیا ہے۔ اور آج میں صندل کے بنے ہوئے اس دروازہ کو آپ کے سپرد کرتا ہوں تاکہ بعد احترام سے جا کر آپ اسے سومناتھ کے مندر میں نصب کرا دیں" دروازہ کو ایک بیل گاڑی پر لادا گیا اس پر قیمتی شال اور دوشالہ ڈالا گیا اور ایک جلوس کی شکل میں نمائش کرتے ہوئے سرہند سے آگرہ لایا گیا راستہ بھر دیہات کے ہزاروں عقیدت مند ہندو اس کی پوجا کرتے اور نذرانہ چڑھاتے ہوئے اسے کافی اہتمام سے لا کر آگرہ کے قلعہ میں رکھا گیا۔ بعد میں ایک ماہر تعمیرات جیمس فرگوسن نے تحقیق کر کے بتایا کہ "یہ دروازہ دیودار کی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں"۔ ایک دوسرے مورخ ویدیا کا کہنا ہے کہ "اس کا کوئی ثبوت نہیں محمود غزنوی سومناتھ سے کوئی دروازہ بھی لے گیا تھا" اور آج وہ دروازہ آگرہ کے قلعہ میں

بے توجہی کے گرد و غبار میں دبا پڑا ہے (۳) لیکن گورنر جنرل نے جلوس نکال کر سارے ملک میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ ضرور پھیلا دی۔

مطالعہ کی آسانی کیلئے کسی بھی ملک کی تاریخ کو قدیم، وسطی اور دور جدید میں تقسیم کیا جاتا ہے گرچہ تدریجی واقعات زمانہ کی خانہ بندی سے پڑے ہوتے ہیں لیکن انگریز مورخوں نے ہندوستانی تاریخ کو ہندو، مسلم اور برطانوی دور (عیسائی زمانہ نہیں) میں تقسیم کیا۔ جو انگریزوں کے رجحان کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ حالانکہ اسی بنیاد پر ترک، ایران پٹھان دور میں بھی ہندوستانی تاریخ کو تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ہندوؤں کو خوش کرنے کیلئے ہندو عہد کو تاریخ کا سنہرا دور قرار دیا گیا جبکہ ہندوستانی تہذیب اپنے عروج پر تھی اس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور یہاں دودھ دہی اور شہد کی ندیاں ہندوستان کی گلیوں میں بہتی تھی آریہ حملہ آوروں کے ذریعہ دراوڑین اور بدھ مندروں کی تباہی کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہوتا ہے جبکہ مسلم دور کو قہر الٰہی بتایا جاتا ہے جہاں پر سکون و خوشحال زندگی کو برباد کیا گیا، دولتوں کو لوٹا گیا۔ مسلمانوں کو ہندو تہذیب اور روایات، مندر اور محل کو تباہ کرنے والا بتوں کو توڑنے اور ان کے سامنے تلوار اور قرآن میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حکم دینے والا بتایا گیا۔ یہ افراتفری تباہی و بربادی کا دور تھا۔ چھ سات صدی پر مشتمل یہ ایک تاریک دور تھا۔ لیکن حالت میں برطانوی دور ایک خدائی عطیہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جس نے یہاں کے لوگوں کو مسلمانوں کے ظلم و زیادتی اور تاریکی سے نجات دلائی اور ہندو مفاد کی حفاظت کی۔

''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی کے تحت مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ ایک بیرونی قوم کی شکل میں پیش کیا گیا جو کہ اپنے مذہبی عقیدہ، عمل، سماجی برتاؤ اور جداگانہ تہذیب کے باعث ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں جو نہ تو ایک ساتھ رہ

سکتے ہیں اور نہ کبھی رہے ہیں۔ اس کیلئے تمام حربے استعمال کئے گئے۔ جھوٹ بہتان طرازی پر مبنی من گھڑت تاریخ تنخواہ دار مورخین (Administrator cum Historian) کے ذریعہ مرتب کروائے گئے۔ مسلمانوں کے حملہ کو وحشی اور بربر کے اثر میں قرار دیئے گئے جبکہ آریہ حملہ پروش کھلانے جو کہ انتہائی سنگدلی کے ساتھ معصوم مرد، عورتیں اور بچوں کو قتل کرتے۔ مسلم حکمرانوں کی معمولی اور ذاتی خامیوں کو اور زیادتیوں کو بڑھا کر رائی کا پربت بنایا گیا ہے۔ اور خوبصورتی سے آخر میں ان کے مذہب سے وابستہ کر دیا گیا۔ مسلم سلاطین و بادشاہوں میں جس نے بھی مذہب کی جانب اپنے رجحانات کا مظاہرہ کیا، اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت میں دلچسپی لی اور اسلامی قوانین پر عمل درآمد کرنے کی کوشش کی اسے متعصب اور تنگ نظر کہا گیا اور اس طرح یہ تاثر دیا گیا کہ اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد اور تنگ نظری دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ بتوں کی بے حرمتی، مندروں کا انہدام، جبری تبدیلی مذہب و شادی، جلا وطنی اور ضبطیاں قتل اور قتل عام، ہوس رانیاں اور بد توشیاں اور جزیہ کی خیالی اور مبالغہ آمیز کہانیاں گڑھی گئیں اور انہیں تاریخ کے طور پر پیش کیا گیا تاکہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے متنفر اور مشتعل کیا جا سکے۔

لارڈ الفنسٹن (Lord Elphinston) نے ۱۴ رمئی ۱۸۵۸ء کو ایک سرکاری یادداشت میں لکھا ہے ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' (Divide et Empira) قدیم رومی طرز عمل تھا ہماری حکمت عملی بھی یہی ہونی چاہئے۔ آخر میں یہ ثبوت کرنگی صلاحیت نہیں رکھتا کہ میرے خیالات ڈیوک آف ویلنگڈن (Duke of Wellengdon) کے خیالات کے عین مطابق ہیں تو اس قدر واضح طور پر اپنے خیالات کے اظہار کی جرأت نہیں کرتا۔'' (۴) اسی طرح کے رائے کا اظہار برطانوی دانشور نے ایک فرضی نام کرناٹیکس (Carnaticus) کے تحت ایشیاٹک جرنل کے مئی ۱۸۲۱ء کے شمارہ میں کیا

ہے کہ "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" ہماری ہندوستانی انتظامیہ کا خاص مقصد ہونا چاہئے خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی یا فوجی (۵) فارنگٹن (Farington) نے اپنی ڈائری مورخہ ۲۱ / مئی ۱۸۲۰ء کو جو کچھ لکھا ہے وہ اس وقت کی برطانوی پالیسی کی نشاندہی کرتی ہے "رات کھانے کے بعد کرنل براؤن (Col. Broun) نے ہمیں ہندوستان کے بارے میں اطلاعات فراہم کیں۔ براؤن بنارس میں مامور تھا اس نے ملک کے اصل باشندے ہندوؤں کے بارے میں بتایا کہ وہ ہمارے راستہ میں سنگ راہ نہیں ہیں۔ ہندو اس ملک کے اصل باشندے ہیں اور مسلمان یہاں زبردستی داخل ہونے والوں میں سے ہیں ان دونوں کے درمیان سخت بدگمانی اور تعصب بھی ہے اور برطانوی حکومت انکے مکمل جذبات و احساسات کا استعمال کرتی ہے اور اس طرح حکومت کے خلاف انکے آپسی اتحاد کو روکتی ہے۔ (۶) لفٹنٹ جون کوک (Lt. John Coke) لکھتا ہے کہ مذاہب اور نسلوں کا جو فرق ہندوستان میں ہے اس کو ہمیں پوری قوت کے ساتھ باقی رکھنا چاہئے۔ اور ہمارا مقصد ان مختلف لوگوں کے درمیان آپسی میل جول پیدا کرنا نہیں ہونا چاہئے۔ (۷) سکریٹری آف اسٹیٹ ووڈ (Wood) نے لارڈ الگن (Lord Elgin) کے نام اپنے ایک خط میں تحریر کیا ہے کہ ایک فرقہ کو دوسرے کے خلاف استعمال کرکے ہم نے ہندوستان میں اقتدار حاصل کیا ہے۔ اور ہم اس کو اسی طرح برقرار رکھ سکتے ہیں آپ صرف یہ کریں کہ ان کے درمیان یکساں احساس کو بڑھنے نہ دیں۔ (۸) اسی طرح جارج فرانسس ہملٹن (Hamilton) نے لارڈ کرزن کو ۲۶ / مارچ ۱۸۸۸ء کو لکھے اپنے ایک خط میں تحریر کیا ہے کہ "آج سے پچیس سال بعد برطانوی حکومت کو جو خطرہ درپیش ہوگا اس سے بچاؤ کیلئے ضروری ہے کہ ہندوستان میں بسنے والی مختلف قوموں کے درمیان نفاق کو بڑھاوا دیں اور ایسی درسی کتابیں مرتب کروائی جائیں کہ ان کے

درمیان اختلافات میں مزید بتدریج اضافہ ہو۔ (۹) اس طرح ایک خاص و متعین مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کتابوں میں تمام تر تحریفیں کی گئیں پوری مسلم آبادی کو اس امر کا لحاظ کئے بغیر کہ مسلم آبادی کی غالب اکثریت دراویڈین اور مغل آریائی نسل سے تعلق رکھتی ہے مسلم حکمرانوں کے ساتھ منسوب کیا اور انہیں ترکی، عسکری یونیفارم میں غیر ملکی درانداز ظالم و غاصب کی شکل میں پیش کیا تاکہ ہندوؤں کو یہ احساس دلایا جائے کہ انکے درمیان کوئی یکساں محاذ نہیں اور برطانوی حکومت ہی انکی نجات دہندہ ہے۔

مغربی مورخین مثلاً سر ہنری، ایلیٹ، ایف، ڈبلو، تھامسن یا جیمس ماڈ اور برطانوی انتظامیہ کے دیگر افسران اور انکے مشرقی شاگرد مورخین نے بڑی عرق ریزی سے تاریخ کی ضخیم جلدیں تصنیف کیں۔ جس میں خدائی بادشاہوں کی حکومت کو غیر ملکی حکومت اور عام مسلمانوں کو ہندوستانی سماج میں غیر ملکی عناصر اور ظالم درانداز گردانا اور ہندوؤں کو مظلوم اور ملک کا اصل باشندہ قرار دیا، تاریخ کو مسخ کرنے کیلئے ہر قسم کی تحقیق اور عبارت آرائی سے کام لیا گیا۔ آثار قدیمہ اور دستاویزات تک مسخ کئے گئے تاکہ یہ بھی ثابت کیا جاسکے کہ تہذیب و تمدن کی ساری ترقیاں دنیا کو اہل مغرب کی ہی دین ہے ایلٹ (Elliot) نے اپنی کتاب (History Of India As told by it,s own Historian) جو کہ ۱۸۶۷ء میں شائع ہوئی وجہ تصنیف بتاتے ہوئے خود ہی تحریر کیا ہے کہ اس کے پیش نظر صرف یہ مقصد رہا ہے کہ ہندوستانیوں کو مسلمان بادشاہوں کے غیر منصفانہ عہد کی تاریکیوں کو دکھا کر انگریزی عہد حکومت کی روشنی دکھائے تاکہ ہندو اسے سایہ رحمت سمجھ کر طاعت مندانہ روش اختیار کریں۔ تقریباً یہی نقطہ نظر جدید دور کے ہندوستانی مورخین کی کتابوں میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ بقول این، کے، اے، یوسف زئی ہندوستانی تاریخ کے بنگالی مصنفین نے جو انگریزی کتابوں کے ترجمے پر مبنی کتابیں تصنیف کیں، مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کرنے میں حد کردی اور دل کھول کر ان کے چہرہ

بات سنتا وہ عوام کا مسیحا ہمدرد تھا کیپٹن ہیملٹن انگریز تاجروں کے ایک وفد کے ساتھ فروری ۱۶۹۹ء میں اورنگ زیب کے دربار میں حاضر ہوا تھا اپنے سفرنامہ میں اورنگ زیب کے کردار کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "نیک رحمدل بادشاہ کی طرح اورنگ زیب نے نہ صرف انگریز تاجروں کے قصور معاف کر دیئے بلکہ ان کے قصوروں سے آگاہ کرتے ہوئے دانشمندانہ نصیحت کی کہ دوبارہ ان سے ایسی غلطی نہ ہو۔ مزید یہ کہ اس بادشاہ نے اپنے تمام اقوال وافعال میں پوری طرح حضرت مسیح کے تحمل سے کام لیا"۔(۱۴) ہندوستان کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد اورنگ زیب کے متعلق لکھتے ہیں "یہ خیال کہ اورنگ زیب نے جبراً ہندوؤں کو مسلمان بنایا بالکل غلط ہے ایک واقعہ سے اس کی طبیعت کے رجحان کا پتہ چلتا ہے ایک مرتبہ شاہجہاں نے "مدھرا کے راجہ اندرمان کو پے در پے حکم عدولی کے الزام میں قید کر دیا۔ جب اورنگ زیب دکن کا صوبیدار مقرر ہوا تو اس نے شاہجہان سے اندرمان کی رہائی کی پرزور سفارش کی لیکن شاہجہان کچھ ایسا ناراض تھا کہ ان تمام سفارشوں کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اسے رہائی مل سکتی ہے اورنگ زیب نے شاہجہاں کی اس تجویز سے انکار کرتے ہوئے لکھا کہ اسلام ہمیں اس قسم کے جبر کی اجازت نہیں دیتا اور یہ تجویز نہ تو مذہب کے مطابق ہے اور نہ ہی اخلاق کے۔(۱۵) اورنگ زیب کس قدر ہندو دشمن تھا اس بات کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مغلیہ دور حکومت کے مختلف مورخین نے مغل افواج میں ۵ سو سے ۷ ہزار منصب داروں کی جو فہرست پیش کی ہے اس کے مطابق اکبر کے دربار میں ۲۲ ہندو منصب دار تھے۔ جبکہ اورنگ زیب کے دربار سے وابستہ ایسے منصب داروں کی تعداد ۱۰۴ تھی۔(۱۶) اس کے دو سب سے بڑے سپہ سالار ہندو ہی تھے یعنی وزیر دفاع راجہ جے سنگھ اور فوج کا کمانڈر انچیف راجہ جسونت

سنگھ اور رام سنگھ جن کے مقابلہ میں دوسری مسلم سپہ سالار کا تذکرہ ہی کیا۔ اپنے بیٹوں تک کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ بقول کے۔ آر۔ ملکانی وہ اپنے محل کی حفاظت کے لیے ہندو پہرہ دار پر ہی اعتماد کرتا تھا۔(۱۷) اس نے اپنے بیٹے شہزادہ معظم کی شادی بڑے دھوم دھام سے راجہ روپ سنگھ کی بیٹی سے کی اور اس ہندو لڑکی پر مسلمان ہونے کیلئے کبھی زور نہیں ڈالا بلکہ مذہب میں مداخلت کرنا بدترین گناہ خیال کرتا رہا۔ خود اپنے محل میں راجپوت رانی بائی اودے پوری موجود تھی لیکن اسکے مذہبی عقائد میں کبھی مداخلت نہیں کی اور اسکے بیٹے کام بخش پر اپنے دوسرے اولادوں سے کہیں زیادہ ہی وہ مہربان تھا۔

مغربی مورخین نے اپنی تاریخ نویسی میں دوہرے معیار کا مظاہرہ کیا ہے۔ جس زمانہ میں ہندوستان میں سلاطین دہلی زوال پذیر تھے اور مغلیہ سلطنت کا ستارہ عروج پر تھا اس دور میں یورپین امریکہ میں آباد ہو رہے تھے۔ امریکہ میں پہلے سے بہت سے مہذب و متمدن قبیلے موجود تھے لیکن ان یورپین لوگوں نے اپنے نسل کی برتری کی بنیاد پر وہاں کے اصلی باشندے مثلاً آزٹکس یوکاٹن (Aztecs, Yukatan) اور انکاس (Incas) کی مایا ریاستوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی بڑے پیمانہ پر قتل عام ہوا اور بقیہ لوگوں کو غلام بنا لیا گیا ان کے مواضعات کو تاراج کر کے راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا میکسیکو جس کی آبادی ۱۵۰۰ء میں ایک کروڑ دس لاکھ تھی ۱۶۰۰ء میں ۳۴ لاکھ ۴۰ ہزار رہ گئی اور ۱۷۰۰ء میں مزید گھٹ کر صرف ۱۲۰ لاکھ رہ گئی اس کے قدیم بادشاہ کو گرفتار کر کے الٹا لٹکایا گیا اور اس کے سامنے تمام رعایا کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال کر ہولی جلانے کا سلسلہ جاری رہا جس کے نتیجہ میں لاکھوں لوگ جل مرے تھے پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے والوں کو کتوں سے بھنبھوڑوایا گیا۔(۱۹) آسٹریلیا اور تسمانیہ کے قدیم باشندے کو جس طرح صفحہ ہستی سے اہل یورپ کی وجہ سے معدوم

ہونا پڑا وہ بھی کم حیرت انگیز نہیں میکسیکو کے یہ لوگ جنگلی بھی نہیں تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کی تہذیب کے حامل تھے ان کی زبان اور رسم الخط ترقی یافتہ تھیں۔ نظام شمسی پر مبنی ان کے کیلنڈر تھے اہرام نما عمارتیں تھیں، عبادت خانہ قلعہ اور محلات کے خالق تھے لیکن یورپین مورخین نے ان پر ڈھائے گئے مظالم کو قابل توجہ نہیں سمجھا خود یورپ میں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی خانہ جنگیوں نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بنی نوع انسان کا خون بہایا۔ رعایا اگر حکومت کے مذہب سے اختلاف کرتی تھی اس کے لئے ہولناک عذاب تھے، مثلاً ۲۴ر اگست ۱۵۷۲ء کو فرانس کے شہنشاہ نے حکم دیا کہ پیرس کے تمام پروٹسٹنٹ پیروکار کو قتل کر دیا جائے اس ظالمانہ فرمان میں بچے بوڑھے مرد و عورت کی کچھ تمیز نہیں تھی بادشاہ بذات خود اس کھیل کا نظارہ اپنے محل سے کر رہا تھا۔ (۴۰) اسی طرح راجرس (Rodgers) کے دس بچوں اور بیوی کو مذہبی اختلاف کی بنیاد پر زندہ جلا دیا گیا۔ (۴۱) لیکن ان یورپین مورخین کو قرون وسطیٰ کے تمام مسلم حکمرانوں پر بہتان طرازی سے کافی دلچسپی تھی اور اس کیلئے انہیں مہلت بھی تھی۔

جہاں تک بتوں کی بے حرمتی اور مندروں کے انہدام کا سوال ہے تو الزام تمام مسلم حکمرانوں پر لگائے جاتے ہیں لیکن ان میں محمود غزنوی اور اورنگ زیب سر فہرست ہیں یہ صحیح ہے کہ محمود غزنوی نے ہندوستان کے مختلف مندروں پر لگاتار حملے کئے لیکن یہ حملے مذہبی عصبیت کی بنا پر نہیں بلکہ حصول زر اور دوسری وجہوں سے تھے کیونکہ یہ مندر دولت کے خزانے تھے۔ اسلام کے نزدیک تمام مذاہب کی عبادت گاہیں قابل احترام ہیں اور یہ نظریہ مذہبی روایات سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ اس کے باوجود یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ بقول تارا چند محمود غزنوی کی فوج میں بکثرت ہندو سپاہی تھے جو اس کی حمایت میں وسط ایشیا تک جا کر لڑے اس کے ایک ہندو فوجی کمانڈر تلک نے لاہور میں

نیاز تگین کی بغاوت فرو کرنے میں بھی اہم رول ادا کیا۔ (۴۲) محمود غزنوی نے غزنہ میں ہندوؤں کے بود و باش کے لئے ایک محلہ بھی آباد کروایا تھا اور کسی بھی ہندو کو کبھی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ بقول الفنسٹن غیر مسلموں کو مسلمان بنانا محمود غزنوی کا مقصد کبھی بھی نہیں رہا۔ کیتی کمار چٹرجی کی تحقیق ہے کہ اس کے سکوں پر سنسکرت کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جو اس کے سیاسی سوجھ بوجھ کے ثبوت ہیں اور بقول سی، وی ویدیا اس کے بہت سے حملوں کی مثال تو ملتی ہے جس میں مندر منہدم ہوئے خونریزیاں ہوئیں قیدی غلام بنائے گئے لیکن عورتوں کی عصمت ریزیاں یا ان کے قتل و خون کی کوئی مثال نہیں ملتی وہ جلیل القدر، عادل بادشاہ تھا وہ ظلم سے اتنی نفرت کرتا تھا اگر اس کا لڑکا بھی زنا کا مرتکب ہوتا تو وہ اس کو قتل کر دینے کیلئے تیار ہو جاتا۔ (۴۳) مزید یہ کہ سومناتھ کے مندر کو برباد کرنے کی تفصیل تو موجود ہے لیکن جب اس نے متھرا کے مندر کو دیکھا تو اس کی شوکت و حشمت دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اپنے ایک خط میں وہ لکھتا ہے اگر کوئی ایسی عمارت بنانا چاہے تو اسے لاکھوں سرخ دینار خرچ کرنا پڑیگا اور شاید دو سو برس میں بھی ایسی عمارت نہ بن پائے۔ (۴۴) یہاں وہ نہ تو بت شکن دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی بت فروش بلکہ مندر کے حسن کا گرویدہ جس نے اس کو مبہوت کر دیا تھا۔

تاریخ کے صفحات اس کے بھی گواہ ہیں کہ مسلمانوں سے زیادہ ہندو حکمرانوں نے مندروں کو لوٹنے کا کام انجام دیا بلکہ ان کے یہاں مندروں کو لوٹنے کا الگ سے باضابطہ محکمہ بھی تھا بقول ڈی، ڈی کوسمبی بارہویں صدی میں کشمیر کے مہاراجہ ہرش دیو (۱۰۸۹ء تا ۱۱۰۱ء) کی حکمرانی نے اپنا محکمہ دیوت پر تاتک کی نگرانی میں قائم کر رکھا تھا اور جس قدر مال و دولت مندروں سے لوٹی جاتی اس میں سے نصف انعام کے طور پر لٹیرے سپاہیوں میں تقسیم کر دی جاتی اور بقیہ کو راجہ خود لے لیتا۔ املاک کے علاوہ

دھات کی بنی مورتیاں بھی اس نے نہیں بخشا اور بقول گھمن پوری ریاست کے تمام گاؤں شہر اور قصبہ میں کوئی مندر یا مورتی ایسی نہیں بچی جو ٹوٹی یا توڑی نہیں گئی ہو صرف چار مورتی کے بچ جانے کا تذکرہ گھمن کی کتاب میں موجود ہے (۳۵) جے سنہا (۱۱۲۸ء ۱۱۵۵ء) نے بھی مورتیوں کو توڑا اور مندروں کو لوٹ کر دولت حاصل کی۔ موریوں کے عہد میں جو مورتیاں بنائی گئیں تھیں وہ بعد کے موریہ راجاؤں نے حصول زر کے لئے پگھلادیں نریندر گپت نے جب مگدھ پر حملہ کیا تو بدھوں کے مقدس بودھی درخت کو گیا میں کٹوادیا مزید یہ کہ جین تہذیب اور بدھوں کے مندر آخر کہاں گئے؟ پرمار حکمران سبھٹ ورمن (۱۱۸۳ء تا ۱۱۴۳ء) نے گجرات پر حملہ کر کے ڈبھوئی اور کھمبات کے تمام جین مندروں کو لوٹ لیا۔ پوری میں جگن ناتھ مندر ایک آدی واسی عبادت گاہ کے ملبہ پر تعمیر کیا گیا ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں بودھ گیا میں ششانک نے بدھ وہار کو توڑ وا کر ایک ہندو مندر بنوایا جو کہ آج بھی موجود ہے۔ اقتصادی مسائل کو حل کرنے کیلئے مندروں کی دولت سے اکثر ہندو حکمرانوں نے فائدہ اٹھایا کیونکہ ایک مندر کی لوٹ ہزاروں گھروں کی لوٹ کے مقابلہ میں زیادہ آسان تھا۔ مزید یہ کہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ محمد بن قاسم سے لیکر آخر تک جتنی بھی جنگیں ہوئیں تو دونوں ہی جانب سے ہندو اور مسلمان سپاہی ہوتے اور کبھی بھی خالص ہندو اور مسلمان جنگیں نہیں ہوئیں۔

جہاں تک اورنگ زیب پر متھرا اور بنارس کی مندروں کو توڑنے کا الزام ہے تو اس نے گولکنڈہ کی جامع مسجد کو بھی مسمار کرایا (کیونکہ وہاں کے حکمراں تاناشاہ نے مرکز کا خراج نہیں دیا تھا اور اس سارے خزانہ کو مسجد میں دفن کروادیا تھا۔ بادشاہ کو خبر ملی تو اس نے عمارت توڑوا کر خزانہ حاصل کیا) لیکن وہی اورنگزیب تقریباً چھبیس سال اجنتا اور ایلورا کے مندروں کے قریب رہا اور اس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ جنوبی ہندوستان کے

سیکڑوں مندریں آج بھی اس کی گواہ ہیں کہ کسی بھی مسلم بادشاہ نے خواہ مخواہ اس کو نہیں چھیڑا۔ قلعہ گولکنڈہ میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک مندر آج بھی سیکڑوں سال سے موجود ہے مزید یہ کہ کسی بھی مندر کو توڑوانے کی کوئی مستند روایت بھی موجود نہیں اگر اورنگ زیب مذہب کے معاملہ میں ایسا ہی سخت اور کٹر تھا تو کیا اسلامی شریعت مندر توڑ کر مسجد بنانے کی اجازت دیتی ہے؟ ظاہر ہے اسلام نے دوسروں کی زمین یا کسی بھی مذہبی جگہ کو چھین کر کے غصب کر کے یا زبردستی قبضہ کر کے مسجد بنانے کی کبھی بھی اجازت نہیں دی ہے۔ وہ تو دوسروں کے مذاہب اور ان کے دیوی دیوتاؤں کو بھی غلط ناموں سے یاد کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اورنگزیب کو یوں بھی مسجدیں تعمیر کرانے کا کوئی خاص شوق نہیں تھا اور اس کے دور حکومت زیادہ تر مسجدوں کی مرمت ہی ہوئی مزید یہ کہ مغل بادشاہ کو زمین کی کوئی قلت بھی نہیں تھی کہ وہ مندروں کو توڑوا کر مسجدیں تعمیر کرواتا۔ بنارس کے کاشی وشوناتھ مندر کو توڑنے کے سلسلہ میں ڈاکٹر پی۔ ان گپتا اور مشہور مورخ بی۔ این۔ پانڈے نے بھی تسلیم کیا ہے کہ بنگال جاتے ہوئے اورنگ زیب بنارس کے قریب سے گزرا اس کے شامل ہندو راجاؤں نے گنگا اشنان اور وشو ناتھ پوجا کی خواہش ظاہر کی جس کی اجازت اورنگزیب نے دے دی۔ متعدد رانیوں نے گنگا اشنان کے بعد وشوناتھ کا درشن کیا لیکن واپسی پر کچھ کی مہارانی غائب تھیں۔ مندر کے احاطے کی تلاشی لی گئی۔ لیکن مہارانی نہیں ملی اورنگ زیب کو جب اس کی خبر ملی تو اسے بے انتہا غصہ آیا سختی سے مندر کی تلاشی دوبارہ لی گئی تو پتہ چلا کہ گنیش کی مورتی کے پیچھے سے دیوار میں ایک خفیہ سرنگ ہے اندر جانے پر بے آبرو مہارانی کی لاش ملی جسے اجتماعی آبروریزی کے بعد ختم کر دیا گیا تھا۔ اور یہ تہہ خانہ وشوناتھ کی مورتی کے عین نیچے تھا فوج میں موجود ہندو راجاؤں کے اصرار پر اس حرامکاری کے اڈے کو مسمار کر دیا گیا ہوتا

چھینی۔ بدھ ذرائع کے مطابق اشوک اعظم نے اپنے ۹۹ بھائیوں کو مار کر گدی حاصل کی اور سوواں اور سب سے چھوٹا بھائی تس کو پہلے تو چھوڑ دیا لیکن بعد میں حکومت پر قبضہ کرنے کا الزام لگا کر اسے بھی ختم کروا دیا اور ڈیڑھ لاکھ لوگ قید کر لئے گئے اشوکا ودان کے مطابق اشوک نے بدھ مٹھوں میں رہنے والے تمام مذہبی پیشواؤں کے قتل عام کا حکم دیا کیونکہ وہ سب تارک مذہب تھے۔ ایک بار حرم سرا کی عورتوں نے اس کی بدصورتی کا مذاق اڑایا تو پانچ عورتوں کو زندہ جلوا دیا گیا۔ ایک سات سال کے بھکشو نے اشوک کو بودھ بنایا تو اس کے کہنے پر بدھ دھرم کی مخالفت کرنے والے برہمنوں کو قتل کروادیا۔ موریہ سلطنت کے برہمن سپہ سالار پشیہ متر سنگ نے آخری موریہ بادشاہ دیربدرتھ کو جان سے مار کر شنگ خاندان کی بنیاد ڈالی برہمن مذہب کی ترقی کے لئے نہ صرف بدھ عبادت خانوں کو برباد کیا اور بیشمار بودھوں کا قتل عام کر دیا بلکہ اسکا ایک فرمان تھا کہ جو کوئی بھی بدھ بھکشو کا سر کاٹ کر پیش کریگا تو فی سر سو دینار انعام پائیگا۔ (۳۱)

جہاں تک جبری تبدیلی مذہب کا معاملہ ہے تو شری رام شرما نے اپنی کتاب 'مغل شاشکوں کی دھارمک نیتی' میں مختلف ذرائع سے اورنگ زیب کے دور حکومت میں قبول اسلام کے سلسلہ میں جو کچھ ہم معلوم کئے ہیں اس کے مطابق ۱۶۶۷ء میں رشوت خوری کے الزام میں چار ہندو قانون گویوں کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا گیا۔ سزا پانے کے خوف سے ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ۱۶۸۱ء میں منوہر پور کے زمیندار دیوی چند نے اس لالچ میں اسلام قبول کر لیا کہ اسے ۲۵۰ فوجیوں کے بجائے ۴۰۰ کا منصب دار بنا دیا جائے گا۔ ۱۵/ جنوری ۱۶۹۷ء کو راجہ اسلام خان نے ہندو مذہب ترک کر کے اسلام قبول کیا تاکہ اپنی بہن کی شادی اورنگ زیب کے بیٹے سے کر سکے لیکن یہ شادی نہیں ہو سکی۔

پروفیسر بی۔ این۔ پانڈے نے اپنی ذاتی تجربات کی بنیاد پر تحریر کیا ہے کہ تاریخ کے ساتھ کھلواڑ کیسے کیا جاتا ہے ان کے مطابق ایک بار الہ آباد کے قیام کے دوران کالج کے کچھ طلباء تاریخ کی ایک انجمن کے قیام کے سلسلہ میں ان سے ملنے آئے۔ چونکہ وہ لوگ کالج سے براہ راست آ رہے تھے اس وجہ سے ان کے ہاتھوں میں تاریخ کی کچھ نصابی کتابیں تھیں۔ دوران گفتگو وہ یوں ہی ان کی کتابوں کو دیکھنے لگے جس میں یہ تحریر تھا کہ تین ہزار برہمن نے ٹیپو سلطان کے ظلم اور تبدیلی مذہب کے خوف سے خودکشی کر لی۔ انہوں نے کتاب کے مصنف مہاپادھیے ڈاکٹر پرشاد شاستری (جو کہ کلکتہ یونیورسٹی میں شعبہ سنسکرت کے سربراہ تھے) ان معلومات کا ماخذ جاننے کیلئے ایک خط لکھا کئی بار کی یاد دہانی کے بعد انہیں جواب ملا کہ یہ باتیں میسور گزٹ سے لی گئی ہیں۔ میسور گزٹ نہ تو الہ آباد میں تھا اور نہ ہی کلکتہ کی امپیریل لائبریری میں اس وجہ سے انہوں نے میسور یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر برجیندر ناتھ سیل سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے ان کا خط اپنے نوٹ کے ساتھ پروفیسر شری کانتیہ جو میسور گزٹ کو ایڈیٹ کر رہے تھے بھیج دیا۔ شری کانتیہ نے پروفیسر پانڈے کو جواب دیا کہ میسور گزٹ میں ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے۔ اور میسور کی تاریخ کے طالبعلم ہونے کے ناطے انکے علم میں ایسی کبھی کوئی بات آئی بھی نہیں ہے۔ شری کانتیہ نے انہیں یہ بھی لکھا کہ ٹیپو سلطان کا وزیراعظم اور فوج کا کمانڈر انچیف پورنیا اور کرشنا راؤ برہمن ہی تھا۔ مزید یہ کہ اس نے ۱۵۶ مندروں کی ایک فہرست بھی بھیجی جنکو ٹیپو سلطان سالانہ عطیہ دیا کرتا تھا۔ ساتھ ہی سرنگیری مندر کے جگت گرو شنکر آچاریہ کے نام بھیجے گئے ۳۰ خطوط کی کاپیاں بھی بھیجیں جو اکثر عقیدت میں ٹیپو سلطان انکو لکھا کرتے تھے۔ ڈاکٹر شاشتری کی یہ کتاب بنگال، بہار، اڑیسہ، آسام، یوپی اور راجستھان کے اسکولوں کے نصاب میں داخل تھی۔ ڈاکٹر بی۔ این۔

پانڈے نے ان تمام خطوط کی نقل کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سر آسوتوش چودھری کو روانہ کر دی تاکہ وہ ان الزامی جملوں کے سلسلہ میں ضروری قدم اٹھا سکیں۔ وائس چانسلر نے انہیں فوری طور پر خط لکھا کہ شاستری جی کی کتاب نصاب سے نکال دی گئی ہے لیکن پانڈے جی نہایت افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ وہ ساری باتیں یوپی کے ہائی اسکولوں کے نصاب ۱۹۷۰ء میں بھی دیکھنے کو ملی۔ (۳۲) مرشد آباد کے نواب سراج الدولہ بھی انگریزوں کے منظور نظر نہیں تھے کیونکہ انھوں نے انگریزی اقتدار اسکے ظلم وزیادتی اور استحصال کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور انگریزوں کو سرزمین ہند سے اکھاڑ پھینکنے کی تمام تر کوشش کی بنگال میں مزید قلعہ بندی اور مورچہ بندی کی سخت ممانعت کی، حتی کہ ۱۸ جون ۱۸۵۶ء کو فورٹ ولیم پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں کو بنگال کی سرزمین سے نکال کر ہی دم لیا اسی وجہ سے انگریز مورخین نے ان کو بھی نہیں بخشا اور ان کے کردار کشی کی زبردست مہم شروع کی اور اپنی تمام تر حرکات کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے ان کو بدنام کرنے کیلئے حادثہ بلیک ہول کا ایک افسانہ گڑھا اس میں ہول ویل کا نام سرفہرست ہے۔ جے۔ سی۔ مارشمین کے مطابق کہا جاتا ہے کہ نواب کے حکم سے ۱۴۶ انگریزوں کو جن میں زیادہ تر عورتیں اور بچے تھے ایک ایسی تنگ کوٹھری میں قید کر دیا تھا جو فوجی ملزموں کے حوالات کے کام آتی تھی اور بمشکل بیس فٹ مربع کے رقبہ میں تھی اس میں ہوا کی آمد و رفت کیلئے محض ایک کھڑکی تھی اسیران دم گھٹنے والی سخت گرمی اور حلق خشک کرنے والی پیاس کی تاب نہ لا سکے اور رفتہ رفتہ ان کی اکثریت موت کی آغوش میں پہونچ گئی۔ جب صبح کو دروازہ کھولا گیا تو صرف ۲۳ افراد گھسیٹ کر باہر نکالے گئے جو کہ اگرچہ زندہ تھے مگر ان کی حالت مردوں سے بدتر تھی۔ (۳۳)

ان تحقیقات سے یہ ثابت ہے کہ یہ محض فرضی قصہ ہے اور حقیقت سے

اس کا کوئی تعلق نہیں ڈاکٹر ہو نے اس کی تردید کی ہے ان کے مطابق ہم عصر مورخین اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں کرتے سیرالمتاخرین کا مصنف خاموش ہے۔ مدراس کونسل کے مباحث میں اس کا اشارہ تک موجود نہیں۔ علی نگر کے عہد میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں سراج الدولہ کی تخت سے علحدگی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے جو خطوط کلائیو نے کورٹ آف ڈائرکٹرز کو لکھے ہیں ان میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں انگریزوں نے میر جعفر سے جو معاہدہ کیا اس میں بلیک ہول کے حادثہ میں مرنے والوں کے پس ماندگان کی اعانت کا کوئی تذکرہ نہیں تھا خود ہول ویل نے سلامت کمیٹی کے سامنے جو یادداشت پڑھی اس میں بھی اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ (۳۴)

انگریزی حکومت کو انگریز مورخوں نے سیکولر حکومت کے طور پر پیش کیا ہے۔ جبکہ ان کتابوں میں ہندوستانی حکمرانوں کی مذہبی پالیسی پر بحث کی گئی ہے اور انگریز دور حکومت کے کسی بھی حکمراں کی مذہبی پالیسی زیر بحث نہیں ہے اور خود کو مذہب سے اوپر رکھتے ہوئے صرف سماجی، سیاسی اور معاشی پہلو پر گفتگو ہے۔ جنگ کے دوران اگر کسی ہندو کو اتفاق کے طور پر نقصان پہنچا تو اسے مسلم حکمراں کے ذریعہ ارادتاً برباد کرنے کا الزام لگایا گیا۔ اسی طرح اگر کسی سازش یا بغاوت کے دوران مسلمان حکمرانوں کی جانب سے اسے سختی سے دبایا جاتا تو یہ بھی اس کی ظالمانہ پالیسی مانی جاتی اور یہی کام جب انگریزوں کے ذریعہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی یا مختلف جنگوں کے دوران کیا گیا تو اسے بغاوت کو کچلنے کا نام دیا گیا۔ اورنگزیب نے جب راجپوت، مراٹھا، جاٹ یا سکھ کے خلاف سیاسی بنیادوں پر نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے جنگ کی تو یہ اورنگزیب یا دوسرے مسلم بادشاہوں کے ذریعہ ہندو عوام کے ساتھ ظالمانہ پالیسی قرار دی گئی۔ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز اور تفرق پیدا کرنے کے لئے ان

مورخوں نے جزیہ کو بھی موضوع بنایا ہے اور اسے ایک مسلمان بادشاہ کی جانب سے ہندو عوام پر لگایا گیا مذہبی ٹیکس قرار دیا ہے اور اسے اس طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ جو ٹیکس لگاتا ہے وہ متعصب ہے اور رعایا کے مذہب کو بدل سکتا ہے، مذہبی ادارہ کو تباہ کر سکتا ہے اور یہ ایک غیر رواداری کی مثال ہے لیکن در حقیقت یہ ایک محصول ہے جس کی اجازت شریعت دیتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق مسلم حکومت میں غیر مسلم اگر اسلام کی بالادستی اور اقتدار کو قبول کر لیتے ہیں تو انہیں ذمی کہا جاتا ہے اور حضرت علیؓ کا قول ہے کہ ذمی کا خون ہمارا خون ہے ان کا خون بہانا ہمارا خون بہانا ہے۔ ذمی مسلمانوں کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ سماجی، اقتصادی، مذہبی اور سیاسی نقطۂ نظر سے ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری مسلم حکومت کی ہوتی ہے اور ان سب کے بدلے میں حکومت ایک محصول وصول کرتی ہے جو انکے جان و مال کے تحفظ کی گارنٹی ہے۔ غیر مسلم سرکاری اہل کار و عہدہ دار (عمال) فوجی، عورتیں، بچے، اپاہج، اندھے، غریب و معذور، پجاری اور فقیر سیلاب یا دوسرے قدرتی آفات سے متاثر علاقہ کے ساکن وغیرہ جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ اس طرح بمشکل دس فیصد مالدار ہندوؤں کو اوسطا ڈھائی فیصد آمدنی بطور جزیہ دینا پڑتا تھا۔ اگر وہ بخوشی فوجی خدمت کے لئے آمادہ ہو جاتے تو جزیہ معاف ہو جاتا تھا۔ اتنی ہی رقم مسلمانوں کو بھی بطور زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں صدقات اور بوقت ضرورت بڑے بڑے چندے بھی ادا کرنے پڑتے اور فوجی خدمات بھی ادا کرنی پڑتی اور کسی بھی حالت میں زکوٰۃ کی رقم معاف نہیں ہوتی۔ ابتدا برہمن بطور پجاری و عالم اس ٹیکس سے مستثنیٰ تھے لیکن اورنگزیب کو یہ احساس ہوا کہ تمام برہمن صرف اپنی پیدائش کے باعث عالم یا پروہت نہیں ہیں تو ان کے تندرست نوجوانوں کو فوجی خدمت کے لئے بلایا جانے لگا۔ ذات

پات کی بندش کے باعث وہ چھتریوں کی صف میں بھی آنا نہیں چاہتے تھے اور خود کو ٹیکس سے مبرا بھی سمجھتے تھے اس لئے اسے ہندو ٹیکس قرار دیا۔ انگریز مورخوں نے بھی اسے مذہبی طول عطا کیا اور اپنی پالیسی کے تحت اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔

سنگھ پریوار کے ترجمان انگریزی ہفت روزہ آرگنائزر کے ایڈیٹر کے۔ آر۔ ملکانی جو کہ مسلمانوں کے تئیں غیر ہمدردانہ رویہ اور سخت طرز عمل کے لئے مشہور ہیں مزید یہ کہ ان سے قرون وسطیٰ کے مسلمان حکمرانوں کے لئے کسی ہمنوائی کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے، کا کہنا ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے اسلام کو ہندوستان کا کبھی سرکاری مذہب قرار نہیں دیا گرچہ اس میں سے بیشتر مرکزی ایشیا کے صحرائی علاقوں سے آئے تھے اور انہوں نے ہندوستان پر سخت انتظامیہ مسلط کر رکھا تھا پھر بھی یہ لوگ مذہبی طور پر شدت پسند نہیں تھے بلکہ سیاسی حکمراں تھے۔ محمد تغلق ہندو یوگیوں سے ملتا، سنسکرت پڑھتا اور ہولی کے تیوہار میں حصہ لیتا تھا اور اس نے اپنے قاضی القضاۃ کا سر قلم کرنے کا صرف اس وجہ سے حکم جاری کیا کہ اس نے محمد تغلق کو بعض ہندوؤں سے بد ظن کرانا چاہا تھا۔ مغلوں نے ذبیحہ گائے پر پابندی لگا دی اور وہ گنگا جل پیتے تھے۔ انہوں نے اپنی حکومت میں راجپوتوں کو ساجھے دار بنا لیا تھا۔ جودھا بائی سے اکبر کی شادی سیاسی، ازدواجی اتحاد تھا جودھا بائی نہ صرف اپنے مذہب پر قائم رہی بلکہ اس نے خود اکبر کا بھی ہندو کرن کر لیا تھا۔ اورنگزیب گرچہ اکبر کی بے پناہ رواداری کا قائل نہیں تھا اور اس نے اکبر کی آزاد روایت کو بدل دیا تھا اس کے باوجود اسے محل کی حفاظت کے لئے اپنے ہندو پہریداروں پر ہی زیادہ بھروسہ و اعتماد تھا (۳۵)۔

اگر دونوں عالمی جنگ کا سنجیدگی سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی ایک بڑی وجہ وہ تاریخ تھی جو جرمنی کے اسکول اور کالج میں پڑھائی جاتی تھی جس نے

جرمن قوم کے دل و دماغ میں نسلی برتری اور تفاخر کا احساس پیدا کر دیا تھا۔ ایک قوم، ایک زبان اور ایک کلچر نے متحد تو ضرور کیا لیکن ان میں جارحانہ قوم پرستی کو بھی فروغ دیا جس کا نتیجہ تھا ان دونوں جنگوں کے دوران تباہی و بربادی۔ یہی حشر بھارت کا ہونے والا ہے کیونکہ حصول آزادی کے نصف صدی گزر جانے کے باوجود اسکولوں، کالجز میں جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں اس نے انہی لڑائیوں اور نفرتوں کا جنم کدہ بنا دیا ہے۔ اس میں ہندو طلبہ کو مسلمانوں سے متنفر کرنے کے تمام طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل چند جملوں سے یہ واضح ہے:

۱۔ محمود غزنوی لٹیرا تھا وہ بت لالچی تھا۔ وہ پکا مسلمان تھا اس نے مندروں کو ڈھایا اور ہندوؤں کو قتل کیا۔ (شری نیر پانڈے بھارت درشن کا سمپورن اتہاس ص ۲۳۵)

۲۔ قطب الدین ایبک اور التمش نے سیکڑوں مندروں کو توڑ وا کر ان کے پتھروں سے مسجدیں بنوائیں (رام چرن ودیا رتھی۔ ہمارا اتہاس حصہ دوم ص ۳۵)

۳۔ فیروز شاہ تغلق مسلمان تھا پر تو بڑا دیالو تھا۔

۴۔ دلی کے ترکی سلطان اسلام کے کٹر انویائی (پیرو) تھے اس لئے انھوں نے ہندوؤں کے مندروں اور مورتیوں کو نشٹ کیا تھا۔ انھیں طرح طرح کے پرلوبھن (لالچ) دیکر اور بل پر وگ (بزور قوت) مسلمان بننے کے لئے بادھیہ (مجبور) کیا۔

۵۔ اکبر حالانکہ مسلمان تھا مگر اسنے اپنی ہندو رعایا کو اسلام مذہب قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔

ان تاریخ نویسوں کے نزدیک عہد وسطیٰ کی وہ تمام تاریخی عمارتیں جنھیں سلاطین دہلی یا مغل حکمرانوں نے بنوایا تھا کسی ہندو حکمراں کے نام سے منسوب کرنا بھی ایک پسندیدہ موضوع رہا ہے ان کے مطابق قطب مینار کو سمندر گپتا نے تعمیر کروایا

تھا۔ اور اس کا اصلی نام وشنو استمبھ ہے۔ قطب الدین تو اس طرح کے مینار کی تعمیر کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تاج محل ایک شیو مندر تھا جسے شاہجہاں نے صرف نام تبدیل کر کے تاج محل میں بدل دیا۔ گرینڈ ٹرنک روڈ کو شیر شاہ نے نہیں بلکہ اشوک نے بنوایا تھا۔ اسی طرح لال قلعہ، جامع مسجد اور دوسری وہ تمام عمارتیں بھی جنکا مسلمانوں سے کوئی تعلق ہے ہندو راجاؤں کے ذریعہ ہی بنوائی گئی ہیں۔

حواشی

۱۔ ایس کے بسواس۔ اوتھن آف انڈیا اینڈ دی آرین انویژن۔ نئی دہلی ۱۹۹۵ء ص ۲-۵

۲۔ سید محمد سلیم مسلمان اور مغربی تعلیم لاہور ۱۹۹۵ء

۳۔ اکبر رحمانی۔ قومی یکجہتی کے نقطہ نظر سے ابتدائی اور ثانوی جماعتوں کی تاریخ کی کتابوں کا تنقیدی جائزہ۔ خدا بخش سیمینار پٹنہ ۹/ مارچ ۱۹۹۶ء اور خلیل عباس صدیقی۔ ایم پیکنگ بیک وارڈ ہسٹوریز۔ کلکتہ ۱۹۹۶ء ص ۲۱

۴۔ این۔ سی۔ مہرہ۔ روٹس آف کمیونل پولیٹکس دہلی ۱۹۷۶ء اور خلیل عباس صدیقی۔ ایضاً ص ۲۰

۵۔ این سی مہرہ ایضاً ص ۱۹۷

۶۔ ڈاکٹر باسو۔ رائز آف کرسچین پاور ان انڈیا جلد ۵ ص ۸۲

۷۔ این جی مہرہ روٹس آف کمیونل پولیٹکس دہلی ۱۹۷۶ء ص ۶۸

۸۔ وڈ ٹو ایلجن۔ ۳/ مارچ ۱۸۶۲ء حوالہ بی۔ این۔ پانڈے اسلام اینڈ انڈین کلچر پٹنہ ۱۹۸۵ء ص ۳۱

۹۔ ہملٹن ٹو کرزن ۲۶/ مارچ ۱۸۸۸ء حوالہ بی۔ این۔ پانڈے ایضاً ص ۳۱

۱۰۔ این۔ کے۔ یوسف زئی۔ رپورٹ آن محمڈن ایجوکیشن ان بنگال ڈھاکہ ۱۹۰۲ء ص ۳

۱۱۔ ڈی۔ جی۔ کھولڈا۔ میکنگ آف اے پرنسلی اسٹیٹ ۱۹۷۵ء ص ۴۴

۱۲۔ ایشوری پرشاد۔ تاریخ ہند ص ۱۵۸

۱۳۔ کنور فائقت علی خان۔ فرقہ وارانہ تاریخ کی خدا بخش بہار پٹنہ ۹ مارچ ۱۹۸۸ء

۱۴۔ کپتان ہملٹن۔ سفرنامہ ہملٹن جلد اول لندن ۱۷۳۸ء ص ۲۲۹۔ حوالہ یار جنگ مسیح اللہ بیگ سابق چیف جسٹس حیدرآباد ہند عہد اورنگ زیب میں دہلی ۱۹۶۶ء ص ۶۹

۱۵۔ شوکت علی فہمی۔ دیباچہ ہند عہد اورنگ زیب میں دہلی ۱۹۶۶ء ص ۱۰

۱۶۔ اوم پرکاش پرشاد۔ اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نگاہ پٹنہ ۱۹۹۳ء ص ۲۷

۱۷۔ کے۔ آر ملکانی دی اسٹیٹسمین کلکتہ ۳۰ اگست ۱۹۸۶ء

۱۸۔ چارلس اوگلے۔ مائیکور ہیرلن نیو ورلڈ۔ نیویارک ۱۹۵۵ء ص ۱۶

۱۹۔ اکبر شاہ نجیب آبادی۔ آئینہ حقیقت نما۔ کانپور ۱۹۲۶ء ص ۴۳

۲۰۔ مرزا یار جنگ مسیح اللہ بیگ ہند عہد اورنگ زیب میں دہلی ۱۹۶۶ء ص ۲۱

۲۱۔ ایضاً ص ۲۵

۲۲۔ تارا چند ہندوستانی تہذیب پر اسلام کے اثرات

۲۳۔ سی وی ویدیا ہسٹری آف میڈیول ہندو انڈیا جلد سوم ص ۳۶

۲۴۔ صباح الدین عبدالرحمٰن۔ مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری۔ اعظم گڈھ ۱۹۸۰ء ص ۱۳

۲۵۔ نیلم اکبر وال۔ راج ترنگی عثمن الہ آباد ۱۹۱۵ء ص ۵۳

۲۶۔ اوم پرکاش اورنگ زیب نیا زاویہ نگاہ ص ۱۸ بی۔ این پانڈے۔ اسلام اینڈ انڈین کلچر پٹنہ ۱۹۸۵ء ص ۳۵

۲۷۔ شوکت علی فہمی دیباچہ ہند عہد اورنگ زیب میں دہلی ۱۹۶۲ء ص ۱۲

۲۸۔ بی این پانڈے اسلام اور ہندوستان تہذیب۔ ص ۳۶

۲۹۔ اوم پرکاش اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نگاہ ص ۳۰

۳۰۔ اکبر شاہ نجیب آبادی۔ آئینہ حقیقت نما ص ۴۳

۳۱۔ اوم پرکاش اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نگاہ

۳۲۔ بی این پانڈے اسلام اور ہندوستانی تہذیب ص ۳۴

۳۳۔ جے سی مارشمین۔ تاریخ ہند عہد برطانیہ میں ترجمہ سید محمد عبدالسلام دہلی ۱۹۳۳ء ص ۴۶

۳۴۔ ڈاکٹر باسو۔ رائز آف کرسچن پاور ان انڈیا۔ جلد اول ص ۱۰ حوالہ عبد ابادی کمپنی کی حکومت کلکتہ ۱۹۲۵ء ص ۴۷

۳۵۔ کے۔ آر ملکانی دی اسٹیٹسمین کلکتہ ۳۰ اگست ۱۹۸۶ء

فلاحی برادران سے خصوصی اپیل

برادران محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا اور غلبہ دین کی کوششوں میں حتی الوسع مصروف ہوں گے۔

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اسکے فیوض و برکات سے نوازے۔ آمین!

انجمن کے روزمرہ کے اخراجات نیز "حیات نو" کی طباعت و اشاعت کے مصارف بڑھتے جارہے ہیں۔ اس موقع سے آپکے خصوصی تعاون کی ضرورت ہے۔ امید کہ انفرادی واجتماعی ہر لحاظ سے توجہ فرمائیں گے۔ نیز اہل خیر حضرات سے رابطہ کر کے ان کا تعاون حاصل کرنے اور انہیں "حیاتِ نو" کا خریدار بنانے کی بھی کوشش کریں گے۔

اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔ والسلام

عبدالعظیم فلاحی (خازن انجمن طلبہ قدیم)

نصرانیت (۸)

انیس احمد فلاحی

عبادات اور رسوم عیسائی مذہب میں درج ذیل دو عبادتیں فرض ہیں۔

۱۔ نماز و حمد خوانی ۲۔ روزہ

حمد خوانی حمد خوانی کی صحت کے لئے درج ذیل تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱۔ عیسائی عقائد و معجزات پر کامل یقین ہو۔ انجیل مرقس میں ہے: "اس لئے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ تم دعا میں مانگتے ہو یقین کرو تم کو مل گیا اور وہ تم کو مل جائے گا۔" (باب ۱۱/۲۵)

یعقوب کے خط میں ہے: "دعا ایمان سے مانگے اور کچھ شک نہ کرے کیونکہ شک کرنے والا سمندر کی لہر کی مانند ہوتا ہے جو ہوا سے بہتی اور اچھلتی ہے ایسا آدمی یہ نہ سمجھے کہ مجھے خداوند سے کچھ ملے گا۔ وہ شخص دودلا ہے اور اپنی سب باتوں میں بے قیام۔" (باب ۱/۷، ۸)

۲۔ عبادات مسیح علیہ السلام کے واسطے سے انجام دی جائیں کیونکہ عبادت درحقیقت اس قربانی کا شکرانہ ہے جو کلمۃ اللہ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام نے بندوں کی طرف سے دی تھی۔ انجیل یوحنا میں ہے: "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر باپ سے کچھ مانگو گے تو وہ میرے نام سے تم کو دے گا۔ اب تک تم نے میرے نام سے کچھ نہیں مانگا۔ مانگو گے تو پاؤ گے تاکہ تمہاری خوشی پوری ہو جائے۔" (باب ۱۶/۲۳)

۳۔ عبادت درحقیقت ایک اجتماعی فعل ہے جو کلیسا انجام دے سکتا ہے اگر

کوئی شخص انفرادی طور پر عبادت کرنا چاہے تو بھی اسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو۔

نماز کے اوقات اور اس کا طریقہ دن اور رات میں کل سات نمازیں ہیں جن کی کوئی متعین کیفیت نہیں ہے بلکہ یہ درحقیقت دعا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں میں سے کوئی دعا یا زبور کا کوئی حصہ پڑھا جاتا ہے۔ مسٹر ایف سی برکٹ کے بقول اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر روز لوگ صبح و شام کلیسا میں جمع ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک شخص بائبل کا کوئی حصہ پڑھتا ہے۔ یہ حصہ عام طور سے زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے۔ زبور خوانی کے دوران تمام تر حاضرین کھڑے رہتے ہیں۔ زبور کے ہر نغمے کے اختتام پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے اور اس دعا کے موقع پر گناہوں کے اعتراف کے طور پر آنسو بہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے۔ یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آرہا ہے۔

حمد خوانی کے دوران جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں ان میں سے ایک ملاحظہ ہو:

"اے باپ تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہی آئے۔ ہماری روز کی روٹی روز ہمیں دیا کر اور ہمارے گناہ معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرضدار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔" (انجیل لوقا باب ۱۱/۱۔۴)

روزہ عیسائی مذہب میں روزہ صبح سے زوال آفتاب کے بعد تک کھانے سے باز رہنے اور اس کے بعد غیر مرغن غذاؤں کے استعمال کا نام ہے۔

یہ لوگ بدھ کے روز روزہ رکھتے ہیں کیونکہ اسی دن مسیح علیہ السلام کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اور جمعہ کے دن کیونکہ اسی دن آپ کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا تھا۔ عید میلاد مسیح کی مناسبت سے عیسائی مذہب میں ۴۳ دن کے روزے رکھے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ

ایام میں بھی روزہ رکھنے کا رواج ہے۔

رسوم عیسائی مذہب میں کل سات رسمیں ہیں۔ دو متفق علیہ اور پانچ مختلف فیہ اور چونکہ پانچ رسموں کو پروٹسٹنٹ فرقہ تسلیم نہیں کرتا اور اناجیل میں ان کی اصل بھی موجود نہیں ہے اس لئے اختصار کے پیش نظر صرف دونوں متفق علیہ رسموں کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ دونوں رسمیں عشاء ربانی اور بپتسمہ کی رسم ہے۔

ا۔ بپتسمہ بپتسمہ کے لفظی معنی پانی سے دھونا۔ یہ عمل در حقیقت گنہگاروں کے جسموں کو پاک و صاف کرنے کا رمز ہے جس سے توبہ و انابت کی جانب میلان ہوتا ہے۔ انجیل مرقس میں ہے: "یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا۔" (۱ / ۴)۔ خود عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو یوحنا نبی نے بپتسمہ دیا تھا۔ (دیکھئے انجیل متی باب ۳ / ۱۳۔ ۱۷) البتہ آپ نے کسی کو بپتسمہ نہیں دیا تھا (یوحنا ۴ / ۲) عیسائیت میں دخول کے لئے اس رسم کی ادائیگی ضروری ہے۔ اسکے بغیر کسی انسان کو عیسائی نہیں کہا جا سکتا خواہ اس کے والدین عیسائی ہی کیوں نہ ہوں۔ اس رسم کی ادائیگی کا کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں یہ رسم انجام دی جا سکتی ہے۔

بپتسمہ کی حقیقت اس رسم کی پشت پر بھی کفارہ کا عقیدہ کارفرما ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہوتا ہے۔ موت کے ذریعہ اسے "اصلی گناہ" کی سزا ملتی ہے اور نئی زندگی سے اسے آزاد قوت ارادی حاصل ہوتی ہے۔ یہ رسم ایسٹر کی تقریبات سے کچھ پہلے یا پینٹی کوسٹ کی عید سے کچھ قبل انجام دی جاتی ہے۔

بپتسمہ کا طریقہ یروشلم کے مشہور عالم سائرل نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ بپتسمہ کے امیدوار کو بپتسمہ کے کمرے میں اس طرح لایا جاتا ہے کہ اس کا رخ مغرب کی جانب ہو پھر امیدوار اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ:

"اے شیطان میں تجھ سے اور تیرے ہر عمل سے دستبردار ہوتا ہوں۔" پھر وہ مشرق کی طرف رخ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے۔ اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لے جایا جاتا ہے جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیے جاتے ہیں اور سر سے پاؤں تک ایک دم کیے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس موقع پر بپتسمہ دینے والے اس سے تین سوال کرتے ہیں کہ "کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے" ؟ ہر سوال کے جواب میں امیدوار کہتا ہے "ہاں میں ایمان رکھتا ہوں۔" اس سوال و جواب کے بعد اسے حوض سے نکال لیا جاتا ہے اور اس کی پیشانی، کان، ناک اور سینے پر دم کیے ہوئے تیل سے دوبارہ مالش کی جاتی ہے اور پھر اس کو سفید کپڑے پہنا دیے جاتے ہیں جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ بپتسمہ کے ذریعہ یہ شخص سابقہ تمام گناہوں سے پاک صاف ہو چکا ہے۔ اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے اور پہلی بار عشاء ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے۔ (جاری)

توجہ طلب

تمام فلاحی برادران کی علمی کاوشوں کو جمع کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں تمام فلاحی برادران سے گزارش ہے کہ وہ اپنی علمی کاوشیں آفس انجمن طلب قدیم کو روانہ فرمائیں۔ خواہ وہ تصانیف کی شکل میں ہوں یا ترجمے، پمفلٹ، میگزین وغیرہ شکلوں میں ہوں۔ اس ضمن میں اگر کوئی دشواری محسوس کریں تو اس سے مطلع فرمائیں۔

ذکر جلیلؒ (۵)

عبدالرب اثری فلاحی

مولانا اور جامعۃ الفلاح جامعۃ الفلاح یوں تو ایک ابتدائی مکتب کی شکل میں مدت سے قائم تھا لیکن اس صدی کے چھٹے عشرے میں کچھ بہی خواہوں نے اسے عربی درس گاہ بنانے کی تحریک شروع کی۔ اب یہاں کے ذمہ داروں کو ایک ایسے فرد کی ضرورت محسوس ہوئی جو کہ اسکو سنبھال بھی لے اور اعلیٰ قسم کی عربی درس گاہ بھی بنادے۔ اسکے لئے متعدد باصلاحیت افراد کو دعوت دی گئی۔ ۲۰ر جون ۱۹۶۲ء کو انتظامیہ کا اجلاس ہوا اور جامعہ کو قدیم و جدید کا سنگم بنانے کا فیصلہ کیا گیا اور تحریک اسلامی کے کاز کو تقویت پہنچانے والے ادارہ کی شکل میں ابھار کر پیش کیا گیا۔ انہیں خطوط پر مدرسہ آگے بڑھنے لگا پھر ۱۹۶۷ء میں یہ مایہ ناز ستارہ چترپور ہزاری باغ سے فلاح کی سرزمین میں آگیا اور اس کے مقدر کھل اٹھے۔ مولانا کو آتے ہی صدر مدرس بنا دیا گیا اور پورا تعلیمی نظام ان کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ لوگ جواب بھی مصر تھے کہ اسکو سرکاری اسکول کے نہج پر چلیں مولانا کی آمد سے مکمل طور پر عربی کی طرف ہو گیا اور کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ اختلاف کرتا۔ اسکے عربی نصاب کی تعیین و تکمیل میں تقریباً مکمل طور سے مولانا حاوی رہے۔ مولانا کی قرآن سے دلچسپی کی وجہ سے قرآن کو یہاں بھی اصل اور اول مقام عطا ہوا۔ مولانا چونکہ شروع ہی سے معذور تھے، نقل و حرکت پریشانی کا باعث تھی اس لئے کسی طرح کی ذمہ داری لینے سے بچتے تھے، چنانچہ جلد ہی صدارت سے استعفاء دیدیا۔ البتہ ناظم تعلیمات کی حیثیت سے برقرار رہے۔ پھر جب ۱۹۶۸ء میں مجلس انتظامیہ کی

میٹنگ ہوئی تو اس میں باضابطہ تعلیمی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کا بھی چیئرمین آپ ہی کو منتخب کیا گیا۔ جب اکتوبر ۱۹۶۸ء میں جامعہ کے مقاصد کو بروئے کار لانے کیلئے تصنیف و تالیف اور علمی تحقیق کا شعبہ "ادارہ علمیہ" قائم ہوا تو اسکے خاص الخاص ممبران میں سے آپ بھی تھے۔ ۱۴ر مارچ ۱۹۶۹ء کو مجلس انتظامیہ نے ڈاکٹر خلیل احمد صاحب کی مصروفیات کے پیش نظر نظامت سے ان کا استعفاء منظور کیا اور بالاتفاق مولانا کا انتخاب بحیثیت ناظم عمل میں آیا۔ اپنی نظامت میں بہتیرے نئے شعبہ کی طرف انتظامیہ کی توجہ دلائی اور پوری کوشش کر کے ۱۸ر مئی ۱۹۶۹ء کی نشست میں نسواں (کلیۃ البنات کے قیام پر) کے سلسلے میں غور و فکر پر مجبور کیا۔ آپ نے باصلاحیت معلمات کے حصول کی کوشش بھی کیں اسی طرح طبیہ کالج شعبہ حفظ و تجوید کے قیام اور ٹیکنیکل کلاسز کی سفارشات پیش کیں۔ لیکن مولانا چونکہ اس طرح کی ذمہ داریوں سے دور رہنا چاہتے تھے لہذا آپ نے جلد ہی استعفاء دیدیا اور ۱۴ر ستمبر ۱۹۶۹ء کی نشست میں آپ کا استعفاء منظور ہو گیا۔ البتہ تعلیمات کے شعبہ میں حسب معمول آپ کی ضرورت محسوس ہوئی اور آپ کو صدر مدرس بنا دیا گیا۔ لیکن مولانا نے جلد ہی استعفاء دیدیا اور ۹ر فروری ۱۹۷۱ء کو یہ استعفاء بھی منظور ہو گیا۔ مولانا کی طبیعت ادھر مستقل خراب رہنے لگی تھی اور صحت برابر گرتی چلی جا رہی تھی، اسلئے مولانا نے معتمد تعلیمات سے بھی استعفاء دیدیا جو کہ ۱۳ر نومبر ۱۹۷۱ء کو منظور ہو گیا لیکن بصد اصرار ۱۸ر نومبر ۱۹۷۲ء کو پھر آپکو تعلیمات کا معتمد منتخب کیا گیا، لیکن یہ سلسلہ صرف چند ماہ ہی رہ سکا اور مولانا جامعہ سے منتقل ہو گئے۔ پہلے جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں رہے، پھر چند ماہ بعد امیر حلقہ آندھرا پردیش محترم عبدالرزاق لطیفی صاحب کی دعوت پر "جامعہ دارالہدیٰ" محمد نگر آندھرا پردیش چلے گئے۔ مولانا کے جامعۃ الفلاح سے جانے پر سارا چمن اداس اداس رہنے لگا۔

ماں ہی چلا گیا تھا۔ اس کمی کو ذمہ داران نے محسوس کیا اور انکو جامعہ واپس لانے کی مستقل کوشش شروع ہوئی، جب طلبہ و ذمہ داران کا پیہم اصرار بڑھا تو مولانا بھی اپنے لگائے ہوئے پودے سے بے پناہ محبت کی وجہ سے چند شرائط کے ساتھ جامعہ دوبارہ دسمبر ۱۹۷۵ء میں تشریف لائے۔ وہ شرائط یہ تھیں۔ (۱) چار سو روپے ماہوار مشاہرہ لوں گا (۲) وہی کمرہ رہنے کیلئے لوں گا جس میں پہلے رہتا تھا (۳) ایسے حالات پیدا نہ ہوں کہ مجھے جامعہ چھوڑنا پڑے (۴) میں اب کہیں نہیں جانا چاہتا اور میری تمنا ہیں جامعۃ الفلاح کی ہو گئی۔ (سہ روزہ دعوت ۷ اگست ۱۹۸۱ء) اسکے بعد مولانا نے اپنی پوری زندگی جامعۃ الفلاح ہی میں گذار دی یہاں پر حدیث و ادب بھی پڑھاتے رہے لیکن تمام دلچسپی قرآن پاک سے تھی قرآن نہایت دلچسپی اور ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے۔ مولانا معذور تھے لیکن کبھی بھی یہاں کے نظام کو توڑا نہیں اور ساری مشقت جھیل کر کلاس میں پہنچتے اور طلبہ کو درس دیتے، مولانا کو بہیترے مواقع پر پریشانیاں جھیلنی پڑیں لیکن کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔ یہاں کے تعلیمی نظام کو ٹھیک کرنے میں سب سے زیادہ انہیں کا ہاتھ تھا قرآن کو دو گھنٹہ دلوائے، عمدہ استعداد رکھنے والے باصلاحیت افراد کی ٹیم کے حصول کیلئے ہمیشہ کوشاں رہے۔ ذمہ دار تھے تب بھی اور جب نہیں تھے تب بھی عام معلم و معلمات کی فراہمی ہو یا حدیث کیلئے بہترین فرد کی تلاش، مولانا امین اثری صاحب عیگرہ اکثر ذکر فرماتے رہتے ہیں "مولانا نے مجھے جامعہ میں آکر حدیث کا درس دینے کی دعوت دی اور اپنی خواہش کا پیہم اظہار بھی کیا"۔ یہاں سے اگر کوئی استاد جانا چاہتا تو نہایت سوز دروں سے سمجھاتے تھے غرض مولانا نے اپنی ذات اور علم و عمل سے ہر سطح پر جامعہ کو اعتبار بخشا اور جامعہ کو جامعہ بنانے میں ان کی کوششیں کسی سے کم نہیں ہیں۔ مولانا کا تعلق بہیترے مدارس سے تھا لیکن ان سب میں جامعہ کو ایک الگ اور منفرد مقام دیتے تھے،

اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پودے کے سلسلے میں مولانا کی کیا کیا تمنائیں تھیں۔ اس کیلئے یہ عبارت کافی ہے "جامعۃ الفلاح دیگر مدارس کے بالمقابل ایک امتیازی مقام رکھتا ہے۔ دیگر خصوصیات سے قطع نظر یہاں کے طلبہ و اساتذہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انکے پاس ایک واضح اور متعین نصب العین ہے۔ صحیح راستہ انکے سامنے روشن ہے خواہ وہ جماعت اسلامی سے وابستگی کی صورت میں ہو یا طلبہ کی تحریک سے تعلق کے نتیجہ میں ہو۔ یہ سب دین ہے یہاں کے اساتذہ کی اس کے بالمقابل جیسا کہ میں واضح کر چکا ہوں کہ دیگر مدارس کے اساتذہ و طلبہ کسی مخصوص راہ کا تعین نہیں کرپاتے اب یہ یہاں کے طلبہ کا کام ہے کہ فراغت کے بعد اس متعین نصب العین پر کہاں تک گامزن ہوتے ہیں یا یہ کہ ہوتے بھی ہیں یا نہیں، میں بہت پر امید ہوں (حیات نو اگست ۱۹۷۹ء ص ۱۶)

مولانا اور تحریک اسلامی

تقریباً ایک صدی کے بعد جب مولانا مودودیؒ نے دعوت الی اللہ کی معتبر اور انقلابی آواز لگائی تو اس پر لبیک کہنے والے السابقون الاولون میں سے مولانا محترم بھی تھے یہ انقلابی دعوت جب آپکے کانوں تک پہنچی تو مولانا نے سنجیدگی سے اس کا جائزہ لیا، قرآن و حدیث پر اسے پرکھا اور جب اس کا حق ہونا ان پر منکشف ہو تو پھر کسی لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر عملاً "میدان جہاد" میں کود پڑے۔ انہوں نے اپنی جسمانی معذوریوں کو بہانہ نہیں بنایا بلکہ ان کا تو یہ عزم تھا کہ جیسے بھی اور جس طرح بھی تحریک اسلامی کی خدمت کر سکتے ہیں کرتے رہیں اور خدا کے یہاں سرخروئی حاصل کریں۔ چنانچہ آپ نے اپنی تقریروں اور وعظ کے ذریعے، مختلف علمی مضامین اور تصانیف کے ذریعہ درس و تدریس کے ذریعے اپنی مخلصانہ دعاؤں کے ذریعے تحریک اسلامی میں اپنا رول ادا کیا اور اپنے شاگردوں (مولانا سید حامد علی، مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب، مولانا فضل الرحمن فریدی صاحب مولانا عبد الرشید

عثمانی صاحب، مولانا یوسف اصلاحی صاحب، پروفیسر خورشید احمد و غفور احمد وغیرہم کی ایک ٹیم تحریک اسلامی کے حوالے کی۔

مولانا کس طرح تحریک سے قریب آئے؟ ایک معتبر اور برسوں سے اشاعت دین کا فریضہ انجام دے رہے عالم دین (مولانا منظور نعمانی صاحب) جن سے کہ خود مولانا کافی حد تک متاثر تھے، کے جماعت سے خروج کے باوجود یوں کر انجمن میں جلد ہوئے بغیر شامل ہوئے؟ اور جانے مانے شیوخ کے سیاسی فکر و عمل کے علی الرغم ایک ایسے آدمی کی دعوت قبول کیوں کی جس کو نہ دیکھا تھا اور نہ کسی قدر شناسائی تھی۔ اس کی تفصیل خود مولانا نے وقتاً فوقتاً بتائی ہے۔ وہ عجیب و غریب ہے جبکہ اس وقت دیگر قومی و وطنی تحریکیں جنم لے چکیں تھیں اور سواد اعظم کی حمایت انہیں حاصل تھیں۔

مولانا مدارس نظامیہ کے متعلم تھے۔ یہاں آپکے ذوق ادب کی آبیاری تشنہ رہی۔ اس کمزوری کی تلافی کیلئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا رخ کیا جہاں کی انجمن میں "ترجمان القرآن" آتا تھا۔ اسکول کے بچپن سے پڑھتے پھر سیاسی کشمکش اور رسالہ "متحدہ قومیت" دیکھنے کے بعد مولانا کو اندازہ ہوا کہ ہندوستانی مسلمان کس خطرے سے دوچار ہیں اور انکے شیخ کے سوچنے اور کرنے کا رخ صحیح نہیں۔ [illegible] عقیدت و محبت قائم رہی۔ پھر بریلی کے مدرسہ اشاعت العلوم کی معلمی کے زمانے میں مولانا "ترجمان القرآن" منگاتے رہے اور پڑھ پڑھ کر متاثر ہوتے رہے۔ [illegible] قائم ہو چکی تھی اور مولانا منظور نعمانی صاحب پورے زور و شور سے اسکی [illegible] کہ بعض جزوی اختلاف کی وجہ سے یہ لوگ جماعت سے نکل گئے اور مولانا مودودی کے متعلق یہ شور ہوا کہ وہ امارت کے اہل نہیں بے پرواہ اور سست ہیں۔ [illegible] پریشانی ہوئی کہ "دعوت تمام خواہد شد" وہ مولانا منظور نعمانی صاحب [illegible] غفر اللہ کہتے ہوئے

فرمایا کہ یہ محض افتراپردازی ہے۔ یہ تھے مولانا سید حامد علی تھے جنھوں نے مزید سوالات پوچھے، واپسی پر "شہادت حق" نے کافی متاثر کیا اور بلا تاخیر جماعت میں شمولیت کی درخواست بھیج دی یہ اواخر ۱۹۴۲ء کا زمانہ تھا۔

شمولیت کے وقت ہی سے دونوں استاد و شاگرد نے اس مخالف ماحول میں کام شروع کر دیا۔ مولانا نے مختلف مواقع پر جماعت کی ذمہ داریاں بھی نبھائی ہے۔ دو مرتبہ ناظم علاقہ رہے، ایک مرتبہ تقسیم ہند کے بعد بالکل شروع میں بریلی کے اور بعد میں ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ اعظم گڑھ کے ناظم علاقہ رہے ہیں اور معاونین کے ذریعہ کام کو وسیع کرنے کی کوشش کی، مجلس نمائندگان کے ممبر بھی رہے اور جماعت میں شمولیت کے بعد مولانا کا ہر عمل، دعوتی تڑپ لئے ہوئے ہوتا تھا۔ اسی فکر کی تعلیم دینا، دعوتی نوعیت کی کتابیں تصنیف کرنا، کام کی توسیع کیلئے مشوروں سے نوازنا آپ کی ہر ہر تحریر خدمت تحریک کیلئے رہی۔ انھوں نے اپنے قلم کو استعمال کرتے ہوئے اس وقت فضا میں اچھالے گئے سوالات اور بوچھار کا دندان شکن جواب دیا جو کہ اب بھی 'الانصاف'، 'پیمان'، 'ایشیا'، 'تسنیم'، 'الحسنات' وغیرہ میں موجود ہے۔ تحریک کے قائدین نے جب بھی کوئی خدمت لی، مولانا نے اپنی معذوری کے باوجود اس پر لبیک کہا۔ مولانا مودودی کا دارالاسلام بلانا، جماعت کے ہر پروگرام میں شرکت کر کے پروگرام لینا۔ ثانوی درسگاہ اور مختلف امراء حلقہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے وہاں جاکر اپنی خدمات پیش کرنا، تحریک اسلامی کے نصب العین کو پیش نظر رکھ کر نصاب کی تشکیل میں حصہ لینا۔ ہر لمحہ تحریک اسلامی کے کاز کیلئے کوشاں رہنا اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ عالمی تحریکات اسلامی اور انکی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ جسکی دلیل عالمی تحریکات اسلامی کے قائدین سے ان کے روابط انکے پرچے منگانا اور انکی معلومات کو فائل کرنے کا اہتمام ہے۔

تحریک اسلامی کی رفتار سے پوری طرح مطمئن تھے اپنے احساسات بیان کرتے رہتے تھے کہ "تحریک اسلامی کی رفتار ترقی ماشاء اللہ بہت زیادہ اطمینان بخش ہے۔ آج جماعت ایک عظیم طاقت بن کر ابھر رہی ہے۔ اس کی آواز دنیا کے کونے کونے تک پہونچ رہی ہے۔ اس میں اللہ کے بندے مسلسل شامل ہو رہے ہیں۔ آج سے تیس سال پہلے یہ آواز بہت نحیف و زار تھی۔ یہ نتیجہ ہے اللہ کے فضل وکرم اور کارکنان کے خلوص اور لگاتار محنت کا۔ اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ جماعت کی ترقی کا دارومدار امراء اور سربراہان جماعت پر ہے امراء اقامت دین کے اس کام میں جس قدر دلچسپی کا مظاہرہ کریں گے ارکان اس کی اسی قدر پیروی کریں گے، امراء کی حیثیت صحیح معنوں میں پورہاؤس کی ہے۔ (حیات نو اگست ۱۹۷۹ء ص ۱۱،۱۲)

یہی لگاؤ اور تڑپ تھی کہ حیدرآباد اجتماع عام کے موقع سے پیغام طلب کئے جانے پر آپ نے فرمایا تھا "اپنے ساتھیوں کیلئے میرا پیغام یہ ہے کہ خدا کو اپنے ساتھ لیں۔ خدا کی معیت کا اپنے کو مستحق بنائیں۔ اسی استحقاق کے بقدر خدا کی مدد سے آپ کی دعوت میں برکت ہوگی، دعوت کو فروغ حاصل ہوگا، خدا غلطیوں سے محفوظ رکھے گا۔ اس کی مدد کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ سراپا دعا و فریاد اور سراپا دعوت بنیں۔ (یادگار مجلہ حیدرآباد ص ۴۷)

مولانا کی علمی خدمات

۱۔ راہ عمل ۴۳۲ احادیث ۹ ایڈیشن
۲۔ زادراہ ۵۰۴ احادیث ۱۳ ایڈیشن ۳۔ سفینہ نجات ۲۳۸ احادیث ۱۳ ایڈیشن

یہ تینوں کتابیں مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶ اور مکتبہ ذکری رامپور سے شائع ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ جماعت اسلامی پاکستان کے اشاعتی ادارے نے بھی شائع کیا ہے۔

یہ تمام کتب برائے اصلاح و تربیت لکھی گئی ہیں۔ مضامین عام طور سے

وہی ہیں البتہ احادیث مختلف ہیں۔ زادراہ میں آخری دو باب کا اضافہ ہے اور سفینہ نجات غیر مسلموں کو بھی سامنے رکھ کر ترتیب دی گئی ہے۔

۴۔ تدبر قرآن پر ایک نظر: پورے "تدبر قرآن" پر جابجا نشانات لگے ہوئے ہیں۔ تیاریاں تقریباً مکمل تھیں اور ترتیب کا کام جاری تھا۔ سورہ اعراف آیت نمبر ۱۴۳ تک ہی کام مکمل ہوا تھا کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کا بیشتر حصہ (زندگی نو ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۴ء) کے شماروں میں چھپ چکا ہے۔ مکمل شکل میں زیر طبع ہے۔

۵۔ نقوش راہ: اس میں مولانا کے متعدد دروس قرآن وحدیث کو جمع کیا گیا ہے۔ جمع وترتیب کی خدمت مولانا محمد رضی الاسلام ندوی نے انجام دی ہے حال ہی میں مجموعہ اسلامک بک فاونڈیشن ۱۷۸۱ حوض سوئی والان نئی دہلی ۲ سے شائع ہو گیا ہے۔

۶۔ نقوش و تاثرات: اس میں مولانا کے اہم مضامین کو اکٹھا کر دیا گیا ہے یہ طبع ہو کر آگئی ہے ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڈھ نے اسے شائع کر لیا ہے۔ اس میں مولانا اختر احسن اصلاحی پر "نقوش و تاثرات"، "مودودیؒ اور تحریک اسلامی"، "جماعت اسلامی ہند اور سید سلیمان ندویؒ" شامل ہیں۔ موخر الذکر میں انکے (سید سلیمان ندوی) کی تحریروں سے ثابت کیا گیا ہے کہ تحریک اسلامی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔

۷۔ لغات عربی اس میں تحقیقی انداز میں الف سے ت تک کام مکمل ہے

اسی طرح سید سلیمان ندویؒ کی کتاب "لغات جدیدہ" پر ص ۱ سے ص ۴۲ تک حاشیہ لکھا ہوا ہے۔

"معجم شواہد العرب" کو مکمل طور سے تحقیقی انداز میں حل کر لیا تھا نحوی اعتبار سے بھی اور نظائر و امثال کی شکل میں بھی یہ حاشیہ مختصر اور قیمتی اثاثہ ہے۔

اس کے علاوہ مسودات میں "تفسیرات تفہیم" پر نشانات اور نوٹس موجود

ہیں۔ عربی کے ابتدائی طلبہ کیلئے "عربی ادب" پر مفعول مطلق تک کی بحث بھی لکھ رکھی ہے۔ "حدیث خواتین" کا بیشتر حصہ مسودہ کی شکل میں لکھا رکھا ہوا ہے

ترتیبی انداز کا قرآنی آیات پر مشتمل ایک مجموعہ جس کا بیشتر حصہ تیار ہو چکا تھا تکمیل کی راہ تک رہا ہے۔

اسوۂ نبوی اور اسوۂ صحابہ پر مکمل کتاب لکھنے کا ارادہ تھا۔ کچھ حصہ تیار تھا جو کہ "زاد عمل" وغیرہ میں آچکا ہے۔

اس کے علاوہ الانصاف، دعوت الحسنات، زندگی نو، حیات نو، ذکریٰ، حجاب بالایمان، تنظیم، چٹان، کوثر وغیرہ میں دعوتی نوعیت کے دروس قرآن وحدیث اور ابتدائی دور کی علمی، ادبی اور تنقیدی مضامین ہیں۔

بخاری کے کتاب الحیل کو مکمل طور سے حل کر کے اس کا الگ سے مسودہ تیار تھا۔

مسودات میں مختلف علماء کبار کی اہم باتیں اور اخبار ورسائل کی اہم خبروں اور نوٹ بک کٹنگ موجود ہیں۔

انھوں نے مختلف کتابوں پر نظر ثانی کیا تھا۔ مثلاً "مصباح اللغات" "محاسن الشعراء، القراۃ العربیہ وغیرہ۔ اور تعلیم النحو از مولانا ایوب اصلاحی پر مقدمہ لکھا تھا اس کے علاوہ "آسان تفسیر پارہ عم" "عبدالحی" کا پہلا نصف حصہ انکی مکمل رہنمائی میں لکھا گیا تھا۔ بلکہ اکثر باتیں آپ کی ہیں۔

اور سب سے اہم یہ کہ وہ "قرآن مجید" اب بھی موجود ہے جس میں کہ مولانا اختر احسن اصلاحی سے استفادہ کر کے نوٹ لکھ لیا تھا۔ یہ بھی مفید افادہ ہے۔

مولانا کے اساتذہ کرام

مولانا کے اساتذہ کی تعداد تو بہت ہے اور ان میں بھوں سے کسی نہ کسی حیثیت میں آپ متاثر تھے۔ یہاں مولانا کے نامور اساتذہ کا تذکرہ

کیا جاتا ہے۔

(۱) جناب ریاست علی صاحب مرحوم، متوفی سنہ ۱۹۹۰ء یہ مولانا کے آبائی گاؤں کرہی کے تھے۔ انکی تعلیم مڈل تک تھی۔ آپ مولانا کے استاد اول تھے جنھوں نے مولانا کو قلم پکڑنا سکھایا اور ناظرہ سے لیکر درجہ دوم تک کی تعلیم دی۔

(۲) مولانا علیم اللہ صاحب مولانا نے ان سے ہدایۃ النحو اور کافیہ کے ساتھ ساتھ صرف ونحو کی تقریباً پوری تعلیم حاصل کی تھی۔

(۳) مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۳ دسمبر ۱۸۸۷ء۔ ۱۹۳۶ء) علم وفضل فہم وفراست، تدبر اور اصابت رائے کے لحاظ سے ہندوستان کے چند مخصوص علماء میں سے تھے۔ یہ شیخ الہند کے ترجمہ قرآن کے محشی بھی ہیں۔ انہوں نے مولانا کو حدیث وقرآن کا درس دیا۔ بخاری اور جلالین کے استاد تھے۔ مولانا کے شیخ بھی تھے اور مولانا پر نظر عنایت تھی خصوصی درس بھی دیتے تھے۔

(۴) مولانا عبدالرحمان امروہوی صاحب محشی تفسیر بیضاوی (۱۲۷۷ھ۔ ۱۳۶۷ھ) تفسیر میں ان کو خاص کمال تھا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مولانا کو بیضاوی کا درس دیا تھا۔ حدیث وفقہ کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ بیضاوی کے علاوہ مطول اور مختصر المعانی پر بھی حواشی لکھے ہیں۔

(۵) مولانا بدر عالم صاحب فیض الباری (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۶۹ء) یہ عابد وزاہد ذکی وتقیہ فی الدین اور صاحب معرفت فاضل تھے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور دیوبند میں مولانا کو حدیث کا درس دیا تھا۔ یہ علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد رشید تھے اور انکے علوم ومعارف کو "فیض الباری" کے نام سے تحریر کیا تھا۔ اس کے علاوہ "ترجمان السنۃ" بھی تحریر کیا تھا۔

(۶) مولانا اعزاز علی صاحب المتوفی (۱۳۷۴ھ) فقہ وادب خاص موضوع تھا۔ انکو عربی

نظم ونثر پر کامل دستگاہ حاصل تھی، مولانا کے ادب کے استاد تھے۔ اور ادب کی تشویق فرماتے رہتے تھے۔ آپکو انھیں کی بدولت ادب کا ذوق پیدا ہوا۔ اس میں مہارت ہوئی اور عبور حاصل ہوا۔ ہمیشہ ان کا نام احترام سے لیتے اور نام آنے پر سراپا عجز واحترام بن جاتے۔

(۷) مولانا اختر احسن صاحب اصلاحیؒ (۱۹۰۱ء۔۱۹۵۸ء) علامہ فراہیؒ کے شاگرد وصاحب شاگردوں میں سے تھے۔ مولانا نہ تو بہترین خطیب تھے نہ مصنف۔ لیکن بہترین معلم تھے یہ اپنے تمام ہم عصروں میں قرآن میں گہرائی اور گیرائی کے لحاظ سے بہت آگے تھے انکو سب سے زیادہ قرآن سے عشق تھا۔ بے نمازی کا اقتدا نہ کرتے تھے۔ مولانا فراہیؒ کے فیض صحبت اور اپنی محنت کی بدولت قرآن اور جاہلی کلام پر گہری نظر رکھتے تھے۔

سب سے زیادہ مولانا اختر احسن صاحب اصلاحیؒ سے متاثر تھے۔ وہ معروف معنوں میں مولانا کے استاد تو نہ تھے اور نہ ہی یہ شاگرد تھے۔ لیکن مولانا کو انکی معیت وصحبت سے بڑا فائدہ پہنچا۔ انھیں کے فیض کا نتیجہ تھا کہ قرآن کے بے نظیر عالم ہوئے اور قرآن سے خصوصی شغف پیدا ہوا۔

اس کے علاوہ مولانا عبدالرحمن کاشغری ندوی اور مشہور زمانہ ادب وانشاء کے ماہر مولانا محمد ناظم ندویؒ سے فیض صحبت رہا اور ادب وانشاء میں انھیں کی بدولت وہ رنگ چڑھا کہ خاص عربیت کا گمان ہوتا تھا۔

دعائے صحت

مدیر مسئول وسکریٹری انجمن طلبہ قدیم مولانا نور محمد صاحب فلاحی بغرض علاج بمبئی تشریف لے گئے تھے۔ چند روز قبل واپسی ہوئی ہے۔ قدرے افاقہ ہے۔ قارئین اور بالخصوص فلاحی برادران سے رمضان المبارک میں خصوصی دعائے صحت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

فقہ وفتاویٰ

ابوارقم فلاحی

سوال: کیا بے وضو قرآنی کیسٹوں کو چھوا جا سکتا ہے؟

جواب: قرآنی کیسٹوں کو چھونے اور ادھر ادھر کرنے کے لئے باوضو رہنا ضروری نہیں ہے کیونکہ کیسٹوں پر قرآن کریم کے الفاظ ثبت نہیں ہوتے ہیں بلکہ صرف آواز محفوظ ہوتی ہے اور یہ آواز تو پوری فضا میں موجود ہے کیونکہ جہاں کہیں بھی قرآن کریم کی قرأت کی جاتی ہے وہاں قاری کی زبان کی حرکات سے ہوا میں لہریں پیدا ہوتی ہیں اور ان لہروں کے سلسلے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ایک مرتبہ پیدا ہونے کے بعد مستقل طور پر فضا میں باقی رہتی ہیں اور اسی فضا میں یہ انسان زندگی گزارتا ہے۔ ظاہر ہے ہر انسان کا ہر حال میں باوضو رہنا ممکن نہیں۔ لہٰذا کیسٹوں کو چھونے کے لئے باوضو ہونے کی شرط تکلیف مالا یطاق ہے۔ ارشاد باری ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا

سوال: اگر کوئی شخص اپنی ساس یا سالی سے زنا کرے تو کیا اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا؟

جواب: حنفی مسلک کی رو سے مذکورہ بالا صورت میں وہ عورت اپنے شوہر کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ اس کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ شامی میں ہے ولو قبل ام امراتہ فی ای موضع کان علی الصحیح حرمت علیہ امراتہ (۲ ۲۸۲) اور اگر کوئی شخص اپنی ساس کے بدن کے کسی بھی حصہ کا بوسہ لے لے تو اس پر اس کی عورت حرام ہو جائے گی، حنفی مسلک کا یہی مفتی بہ قول ہے۔

بیوی کے حرام ہونے کی وجہ ماں اور بیٹی کے درمیان معنوی اعتبار سے جمع کی صورت کا پایا جانا ہے کیونکہ ان میں سے ایک کی ساتھ ہمبستری اسے دوسرے کے ساتھ پہلے کی گئی ہمبستری کی یاد دلائے گی اور اس طرح اس کی حالت یوں ہوگی گویا وہ ان دونوں سے اپنی خواہش کو پوری کر رہا ہے۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۶۲) اور شاید اس حدیث میں اسی پہلو سے لعنت کی گئی ہے کہ "ملعون من نظر الی فرج امرأة وابنتها" لعنت زدہ ہے وہ شخص جو بیک وقت کسی عورت اور اس کی بیٹی کی شرمگاہ پر شہوت کی نگاہ ڈالے۔

جمہور علماء کے نزدیک اس عمل شنیع سے نہ تو طلاق ہی واقع ہوگی اور نہ ہی فرقت وجدائی کیونکہ جمع بین الاختین کی علت قطعیت رحم ہے جو یہاں مفقود ہے۔ البتہ احناف کا مسلک ہی زیادہ درست ہے کیونکہ کسی چیز کے حرام و حلال ہونے میں اختلاف کی صورت میں حرمت کے پہلو کو ترجیح دینا احتیاط کا تقاضہ ہے۔

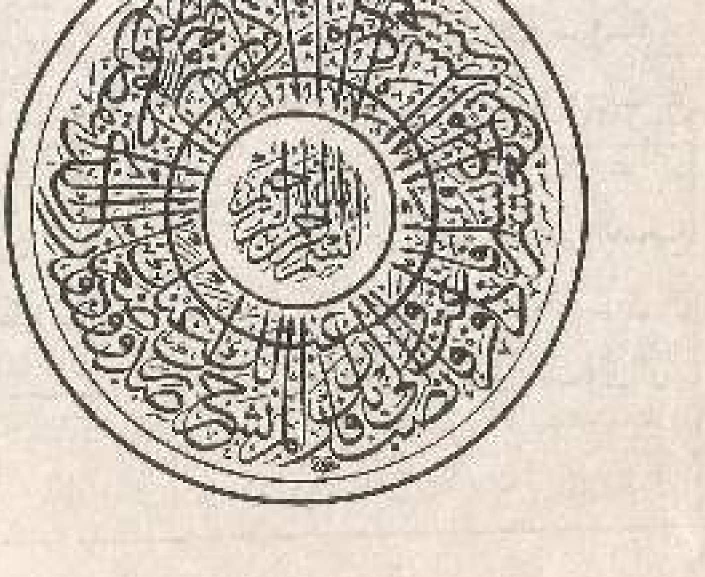

شاہ فیصل سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز

ایک تعارف

محمد ارشد فلاحی

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

سابق سعودی حکمران شاہ فیصل مرحوم کا شمار بیسویں صدی عیسوی میں مسلم دنیا کی اہم شخصیات میں ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ساٹھ اور ستر کی دو دہائیوں کے دوران اسلام، عالم اسلام اور دیگر مسلم مسائل سے ان کی دلچسپی نے انھیں مسلم دنیا کا ہیرو بنا دیا۔ رابطہ عالم اسلامی اور پھر تنظیم اسلامی کانفرنس کے قیام میں انھوں نے کلیدی رول ادا کیا۔ سعودی عرب میں شاہ فیصل چیریٹیبل فاؤنڈیشن کا قیام ان کی یادگار کے طور پر عمل میں آیا۔ شاہ فیصل فاؤنڈیشن اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ہونے والی مختلف سرگرمیوں میں تعاون کرتا ہے اسی کے تحت ۱۹۸۳ء میں شاہ فیصل مرکز برائے اسلامی تحقیق ومطالعات سعودی دارالحکومت ریاض میں قائم ہوا۔

شاہ فیصل سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز کے نام سے معروف اس ادارے کے قیام کا مقصد اسلامی تہذیب وثقافت کی خدمت کرنا اور اس سلسلے کی جو تحقیقات ومطالعات سامنے آرہے ہیں ان کی حمایت کرنا ہے۔ شاہ فیصل مرکز برائے مطالعات اسلامی متعدد سائنسی اور ثقافتی پروگراموں کا اہتمام بھی کرتا ہے تاکہ اسلامی تہذیب کو اجاگر کیا جائے اور دنیا یہ جان سکے کہ انسانیت اور انسانی تہذیبوں پر مختلف ادوار میں اسلامی

تہذیب نے کیا اثرات مرتب کئے۔ اس مرکز کے تحت سائنسی طریقہ تحقیق کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور کوشش یہ ہے کہ مطالعے کے میدان میں اس طریقے کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔ مرکز نے مختلف شعبوں پر علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کر کے اسلامی تہذیب کے مطالعے کی اہمیت کو بڑھاوا دیا ہے۔ تحقیقی کام کرنے والوں کو شاہ فیصل سینٹر فار اسلامک سٹڈیز کتابیں اور حوالے کیلئے کام میں آنے والے دیگر مواد بھی فراہم کرتا ہے۔ ساتھ ہی مملکت اور بیرون مملکت واقع جامعات اور لائبریری سے بھی مواد کی فراہمی میں معاونت کرتا ہے۔ اس مرکز کے ذمہ شاہ فیصل مرحوم کی حیات، خدمات اور مختلف میدانوں میں ان کے کارناموں سے دنیا کو متعارف کرانے کا کام بھی ہے۔ اس سلسلے میں مرکز وقتاً فوقتاً تحقیقی

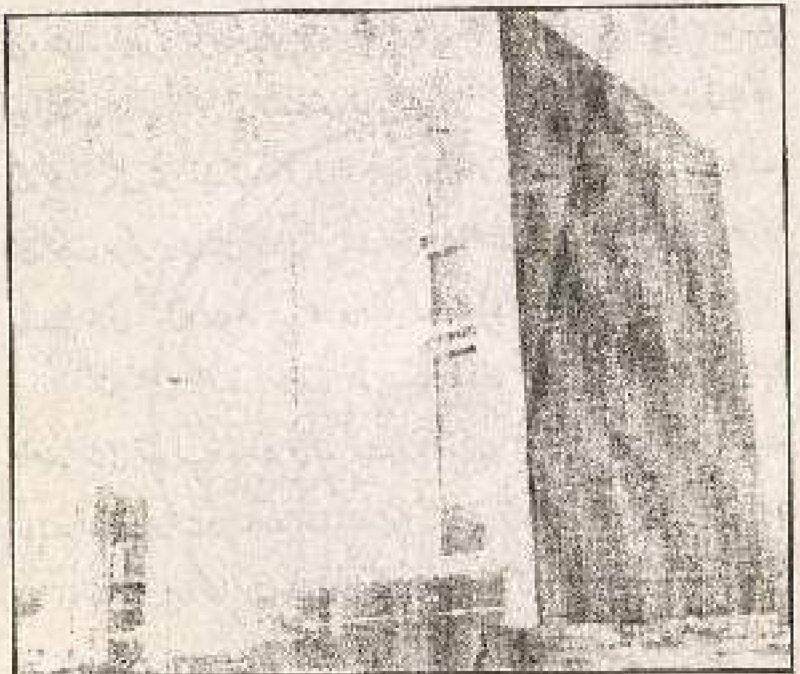

ریاض میں واقع شاہ فیصل مرکز برائے اسلامی تحقیقات و مطالعات

لیکچروں، سیمپوزیموں اور کانفرنسوں کا انعقاد کرتا رہتا ہے۔ مرکز کے یہ پروگرام بالعموم وسیع تر اسلامی موضوعات سے بحث کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اسلام کے سنہری ماضی سے وابستہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاہ فیصل مرکز برائے اسلامی تحقیق و مطالعات کی سرگرمیوں کا ایک اہم حصہ مسودات و مخطوطات کی فراہمی اور ان کی حفاظت و دیکھ بھال بھی ہے۔ یہاں پر تحقیقی کام کرنے والوں کیلئے مختلف طرح کے اعداد و شمار بھی فراہم کئے گئے ہیں اور جو بھی تحقیقی دستاویزات یہاں موجود ہیں دیگر زبانوں میں ان کے ترجمہ کا کام بھی ہوتا ہے۔ شاہ فیصل یادگاری آڈیٹوریم اس مرکز کا شاید سب سے اہم حصہ ہے اس کی کمرائی مرکز کا تاریخی پہلو نمایاں کرتا ہے اس آڈیٹوریم میں شاہ فیصل مرحوم کی تمام تاریخی یادگاریں بھی موجود ہیں اسی طرح ان کی اپنی زندگی کی تاریخ، مملکت سعودی عرب اور اسلامی دنیا کی بھی بہت ساری یادگاریں یہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔

شاہ فیصل مرکز برائے اسلامی تحقیق و مطالعات کی سرگرمیوں کا ایک اہم حصہ اس کے تحت منعقد ہونے والی سالانہ نمائش بھی ہے۔ اس نمائش میں اسلامی ورثے اور فن سے متعلق نوادر کو دلچسپی رکھنے والوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے یہ نمائش مخطوطات کے لئے مخصوص ہال سے ملحق وسیع مرکز میں لگتی ہے۔ معاصر دنیا میں اسلامی نظریے سے متعلق جو مسائل پیش آتے رہتے ہیں ان کے حل کیلئے اور دیگر اسلامی موضوعات پر بھی لیکچروں اور سیمپوزیموں کا انعقاد ہوتا رہتا ہے۔ شاہ فیصل مرکز کا ہال جدید ترین آلات سمع و بصر اور ترجمے کی سہولیات سے آراستہ ہے۔ شاہ فیصل مرکز برائے اسلامی تحقیق و مطالعات کی سب سے اہم چیز اس کی مرکزی لائبریری ہے۔ اس لائبریری میں اسلامی تہذیب، ثقافت اور علوم سے متعلق مختلف موضوعات

پر دس لاکھ سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ لائبریری میں ہر طرح کی جدید ترین سہولیات موجود ہیں اور کا اپنا خود کا کمپیوٹرائزڈ انتظام ہے جس میں لائبریری سے متعلق ہر طرح کی معلومات یکجا کر دی گئی ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ تحقیق کرنے والوں کو بہت ہی مختصر وقت میں اور آسانی کے ساتھ موضوع سے متعلق معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ مرکز کے تحت ایک آڈیو ویژول لائبریری بھی قائم ہے جس میں اسلامی دنیا، سائنس و ثقافت وغیرہ سے متعلق سمعی و بصری معلومات، فلموں، کیسٹوں، سلائڈس اور دیگر صورتوں میں فراہم کی گئی ہیں۔ اس مرکز کے احاطے میں بچوں کے لئے بھی ایک لائبریری قائم ہے تاکہ ملت اسلامیہ کے نونہالوں کی نشو و نما اسلامی نہج پر ہو سکے اور انھیں تمدن و ثقافت کے اسلامی ورثے سے وابستہ رکھا جا سکے۔

شاہ فیصل مرکز برائے اسلامی تحقیق و مطالعات کے تمام شعبے جدید ترین کمپیوٹر نظام سے جڑے ہوئے ہیں۔ ڈیٹا بیس نظام نے مرکز کی رفتار کار کو بہت ہی تیز رفتار اور موثر بنا دیا ہے۔ یہ نظام شاہ فیصل کی زندگی، لائبریری کے مخطوطات، مسلم دنیا، مسلم اقلیتوں، مسلم خواتین، اسلامی تعلیم، معیشت، میڈیا اور عربی و اسلامک اسٹڈیز سے متعلق کتابوں اور مقالات کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں بہت زیادہ معاون و مددگار ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ اس ڈیٹا بیس نظام سے کوئی بھی شخص یا ادارہ استفادہ کر سکتا ہے اور اسے حاصل کر سکتا ہے۔ مرکز کے ذمہ داروں کے مطابق یہ مرکز تمام مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ تمام مسلم سائنسداں، دانشور اور مفکر بلا تفریق قوم و ملت اس کی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا ہے۔

تعارف و تبصرہ

ابو عبد الرحمٰن عمار فلاحی

جدید ترکی میں اسلامی بیداری   ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

کتابت و طباعت: عمدہ   قیمت: ۶۵ روپے   صفحات: ۳۲۶

ناشر: ہلال پبلیکیشنز دہلی

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی صاحب جامعۃ الفلاح کے ان مایہ ناز سپوتوں میں ہیں جنھوں نے علمی دنیا میں جامعہ کا نام روشن کیا ہے۔ آپ کی کتاب "تاریخ دعوت و جہاد برصغیر کے تناظر میں" کافی مقبول ہوئی۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں ملک کے اندر اور باہر معتبر جرائد و مجلات میں برابر آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ عربی و انگریزی زبانوں سے ترجمہ شدہ آپ کی کتابوں کی تعداد بائیس سے متجاوز ہے۔ تقریباً درجن بھر طبع زاد تصانیف ہیں۔ "جدید ترکی میں اسلامی بیداری" آپ کی تازہ تصنیف ہے۔ بقول مصنف، "اس کتاب کی تصنیف کا مقصد ترکی قوم کی اسلام سے شیفتگی و وفاداری کی صحیح تصویر سامنے لانا ہے۔ کمالی الحاد کی مزاحمت کرنے والے علماء و صوفیاء اور بعد کے ادوار میں تحریک اسلامی کی تخم ریزی کرنے والے مجاہدین کی خدمات سے اور کارناموں سے اس کتاب میں بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ترک ماضی میں اسلام اور کعبہ کے پاسبان اور سطوت اسلامی کا نشان تھے تو ان کا حال اور مستقبل بھی اسی مذہب اور اسی تہذیب کی بوقلمونیوں سے مزین اور آراستہ ہے۔ آغاز میں خلافت عثمانیہ کی مختصر سیاسی و تمدنی

تاریخ پر گفتگو کی گئی ہے جو پوری کتاب کے لئے پس منظر کا درجہ رکھتی ہے۔

فصل اول میں مصطفیٰ کمال پاشا کے ہم عصر اور اسلامی جدوجہد کے نقیب شیخ بدیع الزماں نورسی کی شخصیت اور اصلاحی تحریک سے تفصیل سے بحث کی گئی ہے کیونکہ جدید ترکی میں اسلامی احیاء و بیداری کا سراغ انہی کے سر بندھتا ہے۔

فصل دوم میں دو ابواب ہیں۔ پہلا باب ملی نظام پارٹی اور دوسرا ملی سلامت پارٹی پر ہے۔ ان دونوں پارٹیوں کی جدوجہد کو ترکی میں تحریک اسلامی کے تشکیلی دور سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

تیسری فصل رفاہ پارٹی سے متعلق ہے اور اس میں پانچ ابواب ہیں اور یہی کتاب کا ماحصل بھی ہے کیونکہ رفاہ پارٹی ہی وہ موجودہ اسلامی تحریک ہے جس سے اس ملک میں اسلام کا مستقبل وابستہ ہے۔ اسے قدرے تفصیل سے اس پارٹی کے اغراض و مقاصد، طریقہ کار، طریق عمل، افکار و نظریات اور داخلہ و خارجہ پالیسیوں پر گفتگو کی گئی ہے۔ (واضح رہے کہ بعض وجوہ سے اسی پارٹی نے اب فضیلت پارٹی کی شکل اختیار کر لی ہے۔)

فصل چہارم میں ترک خواتین کے مذہبی و اسلامی کردار کا تجزیہ ہے اور آخر میں دو ضمیمے بھی شامل ہیں پہلا ضمیمہ راقم کے نزدیک بہت اہم ہے کیونکہ اردو زبان میں پہلی بار سلطان عبدالحمید خان کی ڈائری اور اس کے مندرجات سے بحث کی گئی ہے۔ دوسرا ضمیمہ اس لحاظ سے اہم ہے اور قابل قدر ہے کہ اس میں "تنظیمات" کے نام سے وجود میں آنے والے اقدامات اور قوانین کا گوشوارہ دیا گیا ہے جو بڑا معلوماتی ہے۔ پیش لفظ اور تنظیمات کا گوشوارہ دونوں ادارہ معارف اسلامی لاہور سے ترمیم و تخفیف کے ساتھ مستعار لئے گئے ہیں۔" (ص ۸-۹)

جدید ترکی میں اسلامی بیداری کے حوالے سے اردو زبان میں یہ پہلی معلوماتی

کتاب ہے جس سے وہاں کی صحیح صورتحال نکھر کر سامنے آئی ہے۔ مغربی میڈیا کے پروپیگنڈہ کی قلعی کھلی ہے۔ توقع ہے اس کے ذریعہ وہاں کے تجربات سے استفادے کی سبیل بھی پیدا ہوگی۔ وہاں کے صحیح حالات جاننے کا خواہش مند اردو قاری اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ ہر داعی اور مصلح کو یہ کتاب ضرور پڑھنا چاہئے۔ اسے بہت سے رہنما خطوط ملیں گے۔

چند امور قابل لحاظ ہیں امید ہے کہ آئندہ صاحب کتاب ان کی رعایت کریں گے:

۱۔ ترجمانی میں جگہ جگہ عربیت جھلکتی ہے مثلاً ص ۸۳ پر وہائٹ ہاؤس (White House) کے لئے "مقصر ابیض" استعمال کیا گیا ہے حالانکہ اردو قاری کے لئے وہائٹ ہاؤس زیادہ قابل فہم ہے۔ اسی طرح حسب ذیل نشان زد الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ص ۷۰ پر "تغیر ملکیوں کے اختلافات" ص ۸۹ پر "جامد و متحجر ماحول" ص ۱۴۰ پر "سلطان البرین والبحرین"

۲۔ اکثر مقامات پر انگریزی اقتباسات کے ترجمے نہیں دئے گئے ہیں حالانکہ اردو ترجمے دینا زیادہ قرین احتیاط ہے کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر قاری انگریزی جانتا ہو۔

چھپتے چھپتے:

خوشی کی بات ہے کہ ۱۵/دسمبر ۹۸ء کو عربی چہارم (طلبہ وطالبات) تک کے نتائج تیار کر کے آؤٹ کیے جاچکے ہیں۔ بقیہ نتائج بھی ان شاء اللہ جلد ہی تیار ہو جائیں گے۔

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

شیخ الجامعہ کا خطاب شیخ الجامعہ مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب مدظلہ العالی نے ۲۰ر دسمبر ۱۹۹۸ء کو بعد نماز فجر اختتام سال کی مناسبت سے طلبہ کو الوداعی خطاب فرمایا۔ خود احتسابی کی دعوت دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: "جامعہ اصلاح کا ایک مرکز ہے۔ اگر یہاں آپ کی اصلاح نہیں ہوئی تو دوسری جگہ نہایت مشکل ہے۔ جب آپ گھروں کو پہنچیں گے تو لوگ آپ کا جائزہ لیں گے۔ اگر انکی امیدیں پوری نہیں ہوئیں تو انہیں مایوسی ہوگی اور آپ جامعہ کیلئے نیک نامی کے بجائے بدنامی کا سبب بنیں گے۔ اساتذۂ کرام نے اپنی سی کوششیں کیں لیکن آپ نے کان نہ دھرا اور آپکے اندر کوئی خامی رہ گئی تو یہ سراسر آپ کا نقصان ہے۔ جسے زندگی بھر آپ محسوس کریں گے۔

آخیر میں آپ نے تلقین فرمائی کہ قرآن مجید سے تعلق باقی رکھیں، نمازوں کا اہتمام کریں، وضع قطع اسلامی بنائیں، والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں، بداخلاقی اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کریں۔ اس دعا کو اپنا وظیفہ بنائیں:

اللھم اعوذبك من شر بصری و شر سمعی و شر قلبی و شر منیی۔ (ترمذی) اور عہد کریں کہ زندگی بھر کم از کم ان باتوں کی پابندی کریں گے۔

فارغین کو الوداعیہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۹۸ء کو نماز ظہر کے بعد اس سال فارغ ہونے والے طلبہ کے اعزاز میں الوداعیہ کا اہتمام کیا گیا جس میں اساتذہ و کارکنان جامعہ کے ساتھ ساتھ ارکان مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح نے بھی شرکت فرمائی۔ حسن اتفاق کہ سالانہ اجلاس کی وجہ سے تقریباً تمام ہی ارکان تشریف لائے ہوئے تھے۔ ماحضر تناول فرمانے کے بعد تلاوت قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے تمام فارغین نے

جامعہ میں مدت قیام اور آئندہ کے منصوبوں کی وضاحت کرتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ پھر کچھ منتخب نمائندوں نے تاثرات پیش کیے۔ یہ تاثرات جہاں اللہ کے شکر و سپاس اور اساتذہ کرام و خادمان جامعہ کی شکرگزاری و احسان مندی کے احساسات لیے ہوئے تھے وہیں جامعہ کے نظام، نصاب وغیرہ کی خامیوں کے سلسلے میں تلخ حقائق پر بھی مبنی تھے۔ چنانچہ شیخ الجامعہ مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب نے ان تلخ حقائق کو جرأت و صفائی کے ساتھ پیش کرنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اساتذہ و ارکان کے درمیان اس طرح صاف صاف باتوں کی جرأت یہ بھی جامعہ کی دین ہے۔ کسی اور ادارے میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے یہ امید بھی دلائی کہ قابل لحاظ امور کی اصلاح کی طرف توجہ دی جائے گی۔

آپ نے مزید فرمایا کہ اب تک آپ نے جو کچھ سیکھا ہے وہ صرف ابجد ہے۔ ابھی صرف آپ نے علم کے دروازے پر دستک دی ہے۔ ابھی بہت کچھ آپکو سیکھنا ہے۔ مزاولت کا محنت کریں تب آپ واقعتاً عالم و فاضل کہلانے کے حقدار ہوں گے اور مرجع بن سکیں گے۔ جامعہ قدیم و جدید کا سنگم ہے۔ آپ مزید جدید علوم کی تحصیل کیلئے جائیں لیکن علم دین کو بھول نہ جائیں بلکہ دولت سمجھ کر اس کی حفاظت کریں اور اسے بڑھائیں۔ اپنی تربیت کی طرف سے کبھی غافل نہ ہوں تربیت کیلئے جہاں اچھے مربی کی ضرورت ہوتی ہے، وہیں پختہ عزم و ارادے کا پایا جانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ دین کی موٹی موٹی باتیں آپکے اندر اپنائی جائیں۔ اسے آپ اپنا شعار بنائیں بلکہ چند متعین چیزوں کے بارے میں عہد کریں کہ ان کا ہر حال میں پاس و لحاظ رکھیں گے۔ اللہ ہر جگہ ہر حال میں آپ کا حامی و ناصر ہو۔

تعطیلات پر نظر ثانی تعطیلات کے موجودہ شیڈول کے لحاظ سے موسم گرما میں بھی تعلیمی سلسلہ جاری رہتا تھا اور سخت دشواریوں کا سامنا ہوتا تھا اسلئے آئندہ تعلیمی سال سے ۳۵ ایام تعطیل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے دوسری تعطیلات پر بھی نظرثانی کرنی پڑی ہے۔ نظرثانی شدہ تعطیلات حسب ذیل ہیں جن کا نفاذ اگلے تعلیمی سال سے ہوگا:

تعطیل کلاں (رمضان	۲۶؍شعبان	تعطیل عید الاضحی	۹؍ذی الحجہ تا
وعید الفطر)	تا ۵؍شوال		۱۲؍ذی الحجہ
عید میلاد النبیؐ	۱۲؍ربیع الاول	یوم جمہوریہ	۲۶؍جنوری
یوم آزادی	۱۵؍اگست	تعطیل گرما	۲۰؍مئی تا ۱۵؍جون

اگلا تعلیمی سال تعطیل کلاں کے بعد جامعہ ۶؍شوال بمطابق ۲۴؍جنوری ۱۹۹۹ء بروز اتوار کھلے گا۔ داخلے کا پہلا ٹسٹ ۹؍شوال بمطابق ۲۷؍جنوری ۱۹۹۹ء بروز بدھ ہوگا اور دوسرا ٹسٹ ۱۳؍شوال بمطابق ۳۱؍جنوری ۱۹۹۹ء بروز اتوار ہوگا۔ داخلہ، تجدید داخلہ، بقیہ امتحانات، اجراء کتب، دار الاقامہ میں الاٹمنٹ کا کام ۱۵؍شوال تک ختم کر لیا جائے گا تاکہ جلد از جلد باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہو سکے۔ واضح رہے کہ داخلہ اور وظائف وغیرہ کی درخواستیں جامعہ کے مطبوعہ فارم پر ۳۰؍رمضان تک جامعہ پہنچ جانا ضروری ہے۔

محترمہ قانتہ صالحاتی صاحبہ ہیڈ معلمہ کلیۃ البنات مستعفی محترمہ قانتہ صالحاتی صاحبہ جو کافی دنوں سے کلیۃ البنات کی ہیڈ معلمہ تھیں [illegible] تشریف لے جا رہی ہیں اس لئے انہوں نے استعفاء پیش کر دیا تھا۔ مجلس عاملہ نے اپنے حالیہ اجلاس میں ان کی طویل خدمات کو سراہتے ہوئے بادل ناخواستہ ان کا استعفاء منظور کر لیا ہے۔ دعا ہے اللہ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور اجر جزیل سے نوازے۔ آمین!

مولانا شاہ عالم صاحب فلاحی شعبہ اعلیٰ میں مولانا شاہ عالم صاحب فلاحی جو عارضی طور پر شعبہ اعلیٰ میں بحیثیت انگریزی استاذ خدمات انجام دے رہے تھے، اب باضابطہ شعبہ اعلیٰ کے استاذ کی حیثیت سے انکی تقرری عمل میں آگئی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ انہیں مزید ترقی کے مواقع عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ خدمات کی توفیق ملے۔

گرانی الاؤنس میں اضافہ بڑھتی ہوئی مہنگائی کو دیکھتے ہوئے مجلس شوریٰ جامعہ

الفلاح نے جملہ اساتذہ وکارکنان کے گرانی الاؤنس میں اضافہ کیا ہے البتہ اس کا نفاذ فروری ۱۹۹۹ء سے ہوگا۔

نصاب میں ترمیم عربی سوم میں "شرح ابن عقیل" کی جگہ "قطر الندی" شامل کی گئی ہے اسی طرح یوپی بورڈ کی نظر ثانی شدہ انگریزی کتابیں اگلے تعلیمی سال سے پڑھائی جائیں گی۔ گزشتہ ایڈیشن منسوخ قرار دے گئے ہیں۔

فارغات کو الوداعیہ ۵؍دسمبر ۱۹۹۸ء کو جامعہ کی جانب سے فارغ ہونے والی طالبات کو الوداعیہ دیا گیا جس میں نائب ناظم جامعہ مولانا ابو البقاء صاحب ندوی نے فارغات کو نمازوں کے اہتمام اور ہر کاموں میں ایک دوسرے کے تعاون اور اپنے علم سے دوسروں کو مستفید کرتے رہنے کی تلقین کی۔ اس موقع سے نائب مہتمم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی مدنی نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی۔ اخیر میں محترمہ مشفقہ وقار صاحبہ (سابق ہیڈ معلمہ) اور محترمہ قانتہ صاحبہ صالحاتی (ہیڈ معلمہ) نے انہیں صراط مستقیم پر چلتے رہنے کی دعائیں دیں۔

انجمن طالبات قدیم کی طرف سے فارغات کو استقبالیہ ۲۰؍نومبر ۱۹۹۸ء کو انجمن طالبات قدیم کی طرف سے فارغات کو استقبالیہ دیا گیا اس موقع سے مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی (سابق صدر مدرس) نے فالصالحات قانتات حافظات للغیب کی صفات پیدا کرنے کی نصیحت کی۔ اس کے بعد مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی مدنی صدر انجمن نے ان کے سامنے مقاصد جامعہ اور مقاصد انجمن کو واضح کرتے ہوئے مستقبل میں مستقل رابطہ رکھنے کی تلقین کی۔

مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی اور ماسٹر مسیحا قادری صاحب (معاون مہتمم کلیۃ البنات) نے ترقی اور کامیابی کی دعائیں دیں۔

محترمہ ساجدہ صاحبہ فلاحی اور محترمہ آسیہ صاحبہ فلاحی نے انہیں آئندہ عائد ہونے

والی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔ اخیر میں محترم نور الصباح صاحب فلاحی کی دعا پر اختتام کو پہنچا۔

انجمن طلبہ قدیم کی طرف سے فارغین کو استقبالیہ ۷ر دسمبر ۱۹۹۸ء کو انجمن کی طرف سے فارغین کو استقبالیہ دیا گیا۔ صدر انجمن مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی مدنی نے الوداعیہ اور استقبالیہ پروگراموں کے مقاصد و نوعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ انجمن کا الگ سے کوئی وجود نہیں ہے۔ جامعہ جن مقاصد کے حصول کیلئے قائم کیا گیا ہے انھیں کی تکمیل کی سعی وجد وجہد ہی انجمن کا مقصد ہے۔ آپ جہاں جائیں اسے نہ بھولیں کہ جامعہ نے آپکو کیوں تیار کیا ہے؟ ساتھ ہی مادر علمی کی ترقی کیلئے سوچتے اور کوشش کرتے رہیں۔ جانے کے بعد اپنے بعد آنے والے بھائیوں کو یاد رکھیں اور جن مسائل کا آپکو یہاں سامنا رہا ہے اسکے حل کی بھی کوشش کریں۔ اگر آپ نے ربط بنائے رکھا تو ان شاء اللہ آئندہ بھی آپکو کچھ نہ کچھ فیض پہنچتا رہے گا، جسکا موثر ذریعہ حیات نو ہے۔

طلبہ کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے برادر صغیر احمد فلاحی برادر شمیم تمر فلاحی نے آئندہ مادر علمی سے ربط رکھنے اور ہر تعاون کیلئے تیار رہنے کی یقین دہانی کرائی۔ ساتھ ہی طلبہ کے بعض مسائل کے حل کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی۔

اس موقع سے تمام فارغین کو انگریزی ترجمہ قرآن ہدیہ کیا گیا اور پچھلے اجلاس عام کے موقع سے جن طلبہ نے کتابت اور پینٹنگ میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا انھیں تشجیعی انعامات سے نوازا گیا۔

اخیر میں مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی (سابق صدر مدرس) کی دعا پر مجلس اختتام کو پہنچی۔

اظہار تعزیت مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی کے خسر محترم بدر عالم صاحب ۱۷ر نومبر ۹۸ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ادھر کچھ دنوں سے علیل چل رہے تھے، عمر ساٹھ سال تھی، جلد ہی لگاتار تین لڑکیوں کی بیوی کا صدمہ آپکو اٹھانا پڑا تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ مغفرت فرمائے۔ اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

روداد اجلاس شوریٰ انجمن طلبہ قدیم

سکریٹری انجمن

یکم دسمبر ۹۸ء کو بعد نماز ظہر مجلس شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا۔ تلاوت قرآن اور گذشتہ کاروائی کی خواندگی کے بعد مسائل حیات نو زیر بحث آئے۔ معنوی، صوری اور توسیعی ترقی کیلئے بہت سی تجاویز سامنے آئیں۔ بالخصوص طے پایا کہ علمی معیار بلند کرنے کی کوشش کی جائے اور خواتین کیلئے بھی کچھ صفحات مخصوص کئے جائیں۔ مولانا صدر الدین اصلاحیؒ پر معیاری خصوصی شمارہ نکالا جائے۔

اہم مقامات پر توسیع اور اشتہارات کے حصول کیلئے ذمہ داران متعین کئے گئے۔ دہلی میں جناب عمیر منظر صاحب فلاحی، علی گڑھ میں جناب محمد ابوذر صاحب فلاحی، جناب فیاض احمد صاحب اعظمی فلاحی، بمبئی میں جناب محمد خالد صاحب اور بلریا گنج و مضافات میں جناب محمد انیس صاحب فلاحی مدنی اس کے ذمہ دار ہوں گے۔

اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً منیجر حیات نو مختلف مقامات کے دورے کریں گے۔

دسمبر ۹۷ء تا نومبر ۹۸ء کا بجٹ کا حساب پیش کیا گیا۔

آمدنی	97414.50
خرچ	85008.00
تحویل حال	12406.50

دستور انجمن میں کافی دنوں سے کچھ ترمیم کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ چنانچہ ضروری ترمیم و اضافے کی سفارشات مرتب کرنے اور انجمن طالبات قدیم کے دستور کا خاکہ بھی فائنل شکل میں ترتیب دینے کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی

ہے۔ کنوینر مولانا عبد العزیز صاحب سلفی فلاحی ہوں گے ارکان کمیٹی درج ذیل فلاحی ہوں گے۔

ا۔ مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی مدنی (صدر انجمن) ۲۔ مولانا عبد العزیز صاحب سلفی فلاحی ۳۔ مولانا ابو الکرام صاحب فلاحی ازہری ۴۔ مولانا نسیم غازی صاحب فلاحی ۵۔ مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی ۶۔ مولانا عبید اللہ فہد صاحب فلاحی ۷۔ مولانا منور حسین صاحب فلاحی ۸۔ مولانا عبد الباری صاحب فلاحی ۹۔ مولانا پیر احمد ملک صاحب فلاحی ۱۰۔ مولانا عبد البر اثری صاحب فلاحی

ساتواں اجلاس عام ان شاء اللہ ۲۰۰۰ء میں ہوگا۔ تفصیلات آئندہ شوریٰ میں طے کی جائیں گی۔

بیت الاتحاد (انجمن ہاؤس) کیلئے زمین کے حصول کی تدابیر پر غور ہوا اور جلد حصول کی کوشش پر زور دیا گیا۔

فلاحی برادران کی علمی کاوشوں کو جمع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس کی ذمہ داری مولانا عبد البر اثری صاحب فلاحی کو دی گئی۔

بڑھتی ہوئی مہنگائی کے پیش نظر کارکنان انجمن کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا جس کا نفاذ ستمبر ۹۸ء سے ہوگا۔

ضرورت محسوس کی گئی کہ درمیان سال باضابطہ انجمن کی شوریٰ کا اجلاس ہو لہذا شوریٰ کا اجلاس ان شاء اللہ ۱۶/ ۱۷/ ۱۸/ اپریل ۹۹ء کو منعقد ہوگا۔ اور اسی میں بجٹ کو منظوری دی جائے گی۔

ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح کی مطبوعات

دینی مدارس اور ان کے مسائل — قیمت: ۳۰ روپے

اس موضوع کے مختلف گوشوں پر مولانا ابو العرفان ندوی، مولانا حبیب الرحمن عمری، مولانا فاروق خاں، مولانا منتقد الحسن ازہری، مولانا عزیز صاحب المظاہری، مولانا مجیب اللہ ندوی اور سید حامد سابق وائس چانسلر [illegible] یونیورسٹی علی گڑھ وغیرہم کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ابنائے قدیم جامعۃ الفلاح کے دو روزہ کنونشن منعقدہ ۱۲، ۱۳ فروری ۱۹۸۹ء میں پیش فرمائے تھے۔

نقوش و تاثرات — قیمت: ۸ روپے

مولانا جمیل احسن ندوی کے اہم مضامین کا دلکش اور خوبصورت مجموعہ

ساہتیہ پربھا (مرتب: ڈاکٹر کوثر یزدانی)

قیمت: ۱۵ روپے

ثانوی درجات کیلئے اسلامی مزاج کے مطابق تیار کردہ ہندی نصابی کتاب

ہندی ساہتیہ سمن (درجہ پنجم، ششم، ہفتم کیلئے سپلیمنٹری بک)

قیمت: ۱۵ روپے

جس میں ہندی قواعد، ہندی شعراء کا تعارف اور دیگر مفید چیزیں [illegible] کردی گئی ہیں جو بچوں کو ہندی سکھانے کیلئے بڑی مفید ثابت ہوں گی۔

ملنے کا پتہ

ادارہ علمیہ، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ - 276 121 (یو.پی.)

اسلامی ساہتیہ پرکاشن، 1525، سوئیوالان، نئی دہلی - 110 002